در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

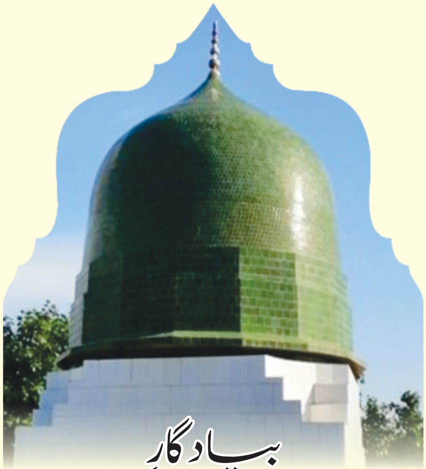

بیادگارِ

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ

الحسن

پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادری

بانی مدیر اعلیٰ حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۵۶۵

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

سرپرست اعلیٰ
(فقیر) سید
محمد نور الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۱۷-۱۸
جلد نمبر ۲

یکم تا ۳۱ مارچ ۲۰۲۵ء
رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے عکاس پرنٹرز محلہ جنگی پشاور سے طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

فہرست مضامین

نمبرشمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	شبیر حسین امام	۳
۲	نعت رسول مقبول ﷺ	حضرت بیدم شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ	۶
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۷
۴	خصائص امت محمدیہ ﷺ	محمد قمر صدیقی قادری	۱۲
۵	ایک انسان دوست شخصیت	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۱۷
۶	نعت رسول مقبول ﷺ	حضرت پروفیسر حفیظ تائب رحمۃ اللہ علیہ	۲۴
۷	دراسات الحسنیہ	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۵
۸	مولانا شاہ احمد نورانی کی خدمات	حاجی تنویر احمد صدیقی قادری مرحوم	۳۰
۹	فکر اقبال کا ایک نادر مخفی مآخذ	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۳۶
۱۰	غزل	مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ	۴۰
۱۱	مولوی جی ایک ہم درس کی نظر میں	انٹرویو: صوفی مشتاق احمد صدیقی	۴۱
۱۲	حفیظ تائب کی فکری صلاحیتیں	ڈاکٹر خورشید رضوی	۴۸
۱۳	ایکسرے کے مضر اثرات	سیما راشد	۶۱
۱۴	تبصرہ کتب	سید محمد انور شاہ قادری بخاری	۶۲

شذرہ

دِلوں میں حب وطن ہے اگر تو ایک رہو

شبیر حسین امام

وطن عزیز انتہائی مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔ قبل ازیں کہ قومی سلامتی کو لاحق خطرات اور زمینی حقائق پر مبنی صورتحال کی گہرائی اور سنجیدگی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے محرکات و اسباب کے مختلف پہلوؤں کا عمیق جائزہ لیا جائے، ایک ہی دن (۱۸ مارچ ۲۰۲۵ء) قومی و صوبائی قیادت کی جانب سے تین بیانات بطور حوالہ نذر قارئین ہیں۔ پہلا بیان پاک فوج کے سربراہ جنرل سیّد عاصم منیر کا ہے جنہوں نے قومی سلامتی کی پارلیمانی کمیٹی اِجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''(فی الوقت) ملک کی سلامتی سے بڑا کوئی (دوسرا) مقصد پیش نظر نہیں، کوئی تحریک نہیں، کوئی شخصیت نہیں اور اگر یہ ملک ہے تو ہم ہیں۔''

دوسرا بیان اُس اعلامیہ کا نچوڑ ہے جو پارلیمانی کمیٹی برائے قومی سلامتی اجلاس کے اختتام پر سپیکر قومی اسمبلی کی جانب سے جاری کیا گیا۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ ''قومی سیاسی و عسکری قیادت نے دہشت گردی کے مکمل خاتمے کے لیے تمام (قومی) وسائل بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا ہے۔'' اور تیسرا حاصل کلام بیان وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا علی امین گنڈاپور کا لائق توجہ ہے جنہوں نے وفاق صوبوں اور عسکری قیادت کا نام لیے بغیر اِن اکائیوں میں پائے جانے والے اختلافات کو حل کرنے کی جانب دانشمندانہ اشارہ کیا اور کہا کہ ''ہمیں آپس کی بداعتمادی ختم کرنا ہوگی۔'' قومی سلامتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے علی امین گنڈاپور کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''سیاسی جماعتوں کے درمیان ہم آہنگی وقت کی ضرورت ہے۔''

ذہن نشین رہے کہ مذکورہ قومی سلامتی کا غیر معمولی اجلاس میں ماسوائے تحریک انصاف سیاسی قائدین، آرمی چیف، اہم دفاعی و حکومتی شخصیات اور سیکورٹی اداروں کے اعلیٰ حکام شریک ہوئے۔

دلوں میں حب وطن ہے اگر تو ایک رہو
نکھارنا یہ چمن ہے اگر تو ایک رہو

دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی جنگ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔گلوبل ٹیررازم انڈیکس کی تازہ ترین درجہ بندی میں پاکستان کو دنیا میں دہشت گردی سے سب سے زیادہ متاثرہ ملک قرار دیا گیا ہے اور یہ حوالہ چونکا دینے والے اعداد و شمار کا مجموعہ نہیں بلکہ سنگین و تلخ حقیقت کی عکاسی کر رہے ہیں۔بنوں میں ہونے والا حملہ، جس میں پانچ سیکورٹی اہلکاروں سمیت کم از کم اٹھارہ افراد ہلاک ہوئے، داخلی سلامتی کو درپیش (موجود) خطرے کی شدت کی نشاندہی کرنے والا تازہ ترین واقعہ ہے۔تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کا دوبارہ ابھرنا پاکستان کو درپیش ''سلامتی بحران'' کا مرکزی نکتہ ہے۔

جب سے طالبان کی افغانستان میں اقتدار میں واپسی ہوئی ہے ٹی ٹی پی کو گویا سرحد پار محفوظ پناہ گاہ مل گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ پاکستان کے اندر تنظیم نو کے بعد اب مہلک ترین پے در پے حملے کر رہی ہے۔ افغان طالبان نے بار بار یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ افغانستان کے وسائل (بشمول افغان سرزمین) کو کسی بھی ملک کے خلاف استعمال نہیں ہونے دیں گے لیکن یہ یقین دہانی کھوکھلی ثابت ہوئی ہے۔ٹی ٹی پی کے خطرے کو ختم کرنے کی بجائے طالبان حکومت نے اِن کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر کے حوصلہ افزائی کی ہے، اگر پاکستان مخالف جذبات رکھنے والے عناصر کو تحفظ، سہولیات اور مدد فراہم کی جاتی رہی تو سیکورٹی ذرائع کے مطابق افغانستان کے اندر پاکستان دشمنوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

لیکن اِس انتہائی اقدام سے قبل پاکستان ہر ممکنہ سفارتکاری کی کوششیں کر رہا ہے۔لیکن افغان حکومت کے ساتھ مذاکرات ہوں یا ٹی ٹی پی کے ساتھ سابقہ امن مذاکرات کی کوشش دونوں بُری طرح ناکام رہے۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو سیکورٹی فورسز نے عسکریت پسندوں کے خلاف کارروائیاں کیں لیکن خاطر خواہ نتائج کے لیے زیادہ طاقت اور شدت سے کارروائیوں کی ضرورت ہے اور دہشت گردی سے عاجز پوری قوم پاک فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے کیونکہ یہ قومی سلامتی کا معاملہ ہے اور پاکستان ہے تو بہاریں بھی ہیں۔

خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں بالخصوص دہشت گرد ریاست کے لیے منظم چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ملک کے دو صوبے شورش کا گڑھ بن چکے ہیں جہاں دہشت گرد باقاعدگی سے فوج اور پولیس اہلکاروں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔موجودہ صورتحال سال ۲۰۱۰ء کے اوائل کے اُن سیاہ دنوں کی یاد دلا رہی ہے

جب پاکستان عسکریت پسند تنظیموں کے خلاف جنگ میں گھرا ہوا تھا۔ تب اور اب میں زیادہ فرق نہیں۔ وہی دشمن سرحد پار سے منصوبہ بندی اور افغانستان کی سرزمین کو دہشت گردانہ سرگرمیوں کے لیے بطور ''اسپرنگ بورڈ'' استعمال کر رہا ہے۔ پاکستان کی عسکری و سیاسی قیادت کو انسدادِ دہشت گردی کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مربوط فوجی اور انٹیلی جنس پر مبنی حکمت عملی تشکیل دی جائے جس میں ملک کے اندر اور ملک سے باہر دہشت گردوں کی پناہ گاہوں کے خاتمے کے لیے فیصلہ کن کارروائیاں شامل ہونی چاہئیں۔

سوال یہ بھی بنتا ہے کہ اگر قومی اتفاق رائے سے نیشنل ایکشن پلان کے نام سے ایک جامع حکمت عملی موجود ہے تو اُس پر کماحقہٗ عمل درآمد کیوں نہیں کیا جارہا اور کسی دوسرے ایکشن پلان کی ضرورت کیوں محسوس کی جارہی ہے؟ انتہا پسندوں کی مالی اعانت کو کنٹرول کرنے اور بنیاد پرستی کے خلاف کریک ڈاؤن کے حوالے سے نیشنل ایکشن پلان پر ازسرنو عمل درآمد کس کی ذمہ داری ہے اور اِسے مکمل طور پر نافذ کیوں نہیں کیا جارہا؟ بلا روک ٹوک اور بلا شک وشبہ دہشت گردی کے معاشی مضمرات بھی یکساں سنگین ہیں۔ موجودہ حالات میں کوئی بھی سرمایہ کار نہیں چاہے گا کہ ایک غیر مستحکم، تشدد زدہ ملک میں کاروبار کرے۔ ایک ایسے وقت میں جب پاکستان پہلے ہی معاشی بحران کا سامنا کر رہا ہے تو بڑھتی ہوئی عسکریت پسندی اور دہشت گردی وہ آخری اقدامات ہیں جن کا پاکستان متحمل ہوسکتا ہے۔

اِس تناظر میں سیاسی عدم استحکام معاملات وحالات کو بد سے بدتر بنائے ہوئے ہے۔ سلامتی کی حکمت عملیوں میں پالیسی کے تسلسل اور ریاستی ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے جو ملک کے موجودہ سیاسی ماحول میں دور دور تک دکھائی نہیں دے رہی اور کمزور سیاسی نظام ہمیشہ دہشت گردوں کے لیے آسان ہدف ہوتا ہے۔ پاکستان پہلے ہی دہشت گردی کے ہاتھوں ناقابل تلافی نقصانات اٹھا چکا ہے اور اگر اِس منظرنامے میں پورے جوش وجذبے اور یکسوئی سے اقدامات نہ کیے گئے اور کسی بھی درجے یا کسی بھی قسم کی سیاسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا گیا تو اِس کے نتائج خطرناک ہوں گے۔ دہشت گردی کے خلاف جاری لڑائی کو مکمل طاقت کے ساتھ اور منطقی انجام تک پہنچائے بغیر کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہی ہے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت بیدم شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ

میرا دل اور میری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے

بھر دے بھر دے میرے داتا میری جھولی بھر دے
اب نہ رکھ بے سر و سامان مدینے والے

کُل کے مطلوب کا محبوب ہے معشوق ہے تو
اللہ اللہ ہے تیری شان مدینے والے

آڑے آتی ہے تیری ذات ہر اک دکھیا کے
میری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے

دل بھی مشتاقِ شہادت ہے کماں دارِ عرب
اس طرف بھی کوئی پیکان مدینے والے

سگِ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدمؔ
یہی رکھیں میری پہچان مدینے والے

گذشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث نمبر ۱۷۰/۲۷: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي فَائِدٌ مَوْلَى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ جَدَّتِهٖ سَلْمٰى اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَ ابْنَ جَعْفَرٍ اَتَوْهَا فَقَالُوْا لَهَا اِصْنَعِيْ لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ يُحْسِنُ اَكْلَهٗ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ لَا تَشْتَهِيْهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلٰى اِصْنَعِيْهِ لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاَخَذَتْ شَيْئًا مِنَ الشَّعِيْرِ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِيْ قِدْرٍ وَ صَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَ دَقَّتِ الْفِلْفِلَ وَ التَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ اِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ يُحْسِنُ اَكْلَهٗ۔

ترجمہ: جناب سلمٰی سے روایت ہے یہ کہ حسن بن علی، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے ہاں تشریف لائے اور اسے کہا ہمارے لیے وہ کھانا تیار کر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی پسند تھا اور جسے بڑی خوشی سے تناول فرماتے تھے تو اس نے کہا اسے میرے پیارے بیٹو! آج کل تم اس کھانے کی طرف توجہ نہ دو گے۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا، ایسا نہیں ہے تم اسے ضرور تیار کرو، راوی نے کہا وہ اٹھیں اور تھوڑا سا جَو کا آٹا لیا، اسے گوندھا پھر اسے ہانڈی میں ڈالا۔ اس میں تھوڑا سا روغن زیتون ڈالا، اور اس میں سیاہ مرچ اور زِیرہ کوٹ کر ڈالا۔ تیار کر کے ان کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا یہ کھانے ہے

جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرماتے اور شوق سے کھاتے۔

حل لغات: اِصۡنِعِیۡ: تیار کر، پکا۔ طَحَنَ: گوندھنا۔ صَبَّت: ڈالا۔ دَقَّت: کوٹا۔ فلفل: سیاہ مرچ۔ التَوَابِل: زِیرہ۔

تشریح: حضرت امام حسن، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جناب سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی زیارت اور ملاقات کے لیے آئے، کیونکہ یہ وہ بزرگ شخصیت تھیں جنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ اور باورچن ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔

اسی مناسبت کی وجہ سے ان حضرات نے کتنا پیارا سوال کیا جس کے ایک ایک لفظ سے عشق ومحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمایاں نظر آ رہا ہے۔ فرماتے کہ وہ کھانا تیار کر دیں جو شفیع المذنبین صاحب لواء حمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تیار کیا کرتی تھیں۔

سبحان اللہ! مائی صاحبہ نے کیا جواب دیا، فرمایا اے میرے پیارے بچو! وہ کھانا تو تنگی اور عسرت کے وقت کا کھانا تھا اب تو آپ کو قسما قسم کے لذیذ کھانے میسر ہیں، ایسا نہ ہو تمہیں اس کھانے کی طرف توجہ نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا اے مائی صاحبہ ہرگز ایسی بات نہیں آپ ضرور ہمارے لیے وہ کھانا تیار کر دیں۔

چنانچہ انہوں نے تھوڑا سا جَو آٹا لیا، گوندھ کو ہنڈیا میں ڈالا اور زیتون کا تیل، سیاہ مرچ، زیرہ وغیرہ مصالحہ بنا کر ہنڈیا میں ڈال کر کھانا تیار کر لیا اور ان ہر سہ برخورداروں کے سامنے رکھ کر فرمایا یہ وہ کھانا ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت پسند فرماتے تھے اور بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۱/۲۸: حَدَّثَنَا مَحۡمُودُ بۡنُ غَیۡلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحۡمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفۡیَانُ عَنِ الۡأَسۡوَدِ بۡنِ قَیۡسٍ عَنۡ نُبَیۡحٍ الۡعَنَزِيِّ عَنۡ جَابِرِ بۡنِ عَبۡدِ اللهِ قَالَ أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِيۡ مَنۡزِلِنَا فَذَبَحۡنَا لَهٗ شَاةً فَقَالَ کَأَنَّهُمۡ عَلِمُوۡا أَنَّا

نُحِبُّ اللَّحْمَ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ہماری جگہ پر رونق افروز ہوئے۔ ہم نے آنحضور ﷺ کے لیے ایک دنبہ ذبح کیا تو ہمارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا گویا یہ جانتے تھے کہ ہم گوشت کو پسند کرتے ہیں، صاحب شمائل الترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک پورا واقعہ ہے یعنی ایک معجزہ کا پورا بیان ہے۔

حل لغات: مَنْزِلَنَا: ہماری جگہ، ہمارا گھر۔

تشریح: صاحب ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں ایک نرالا اور عجیب واقعہ ہے اور وہ اس طرح ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق میں جب میں نے حضور پاک ﷺ پر بھوک کا غلبہ دیکھا تو اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس کو کہا کہ حضور ﷺ کو بہت ہی بھوک کی شدت درپیش ہے، کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟

اس نے ایک خریطہ نکالا جس میں ایک صاع جَو تھے اور ایک فربہ دنبہ میرے پاس تھا، اس کو میں نے ذبح کیا اور میری بیوی نے جَو کا آٹا گوندھ دیا۔

ہانڈی چڑھا کر میں سیّد الکائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے حضور ﷺ چند اصحاب کو لے کر میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ کچھ ماحضر تناول فرمائیں۔ یہ بات میں نے بہت آہستگی سے حضور پُرنور ﷺ کے گوش گزار کی تھی۔ رحمت للعالمین ﷺ نے تمام لشکر کو مخاطب کر کے آواز دی اے اہل خندق جابر نے کھانے کی دعوت دی ہے اور تم سب کو بلا رہا ہے لہٰذا آؤ کہ چلیں، اور جابر سے فرمایا کہ ہانڈی کو چولہے سے نہ اتارو جب تک میں نہ آجاؤں، روٹی نہ پکاؤ۔

کچھ دیر بعد حضور سراپا برکت تشریف لائے، خمیر شدہ آٹا آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا، آنحضور سراپا نور ﷺ نے اِس خمیر شدہ آٹے میں اپنا مبارک تھوک ڈالا اور دعا کی۔ اسی طرح اس

ہانڈی پر تشریف لائے اور یہی عمل کیا۔ پھر جابر کی بیوی سے فرمایا کہ روٹی پکانے والی عورت کو بلاؤ تا کہ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے سالن چمچہ بھر بھر کر نکالو مگر اسے چولہے سے نیچے نہ اتارنا۔ وہ لشکر جو اس وقت آنجناب ﷺ کے ساتھ پا بہ رکاب تھا ایک ہزار سے زائد تھا جناب جابر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ تمام لشکر نے کھانا کھایا اور خوب سیر ہو کر کھایا اور سالن کی ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی اور آٹے کا خمیر بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

حدیث نمبر ۱۷۲/۲۹ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ أَنَّهُ سمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْيَانُ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مَعَهٗ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الاَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهٗ شَاةً فَاَكَلَ مِنْهَا وَ أَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّاَ لِلظُّهْرِ وَ صَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ وَ اَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّاْ

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ باہر سے تشریف لے گئے اور میں بھی ساتھ تھا۔ آنجناب ﷺ ایک انصار عورت کے گھر تشریف لے گئے اس عورت نے آپ ﷺ کے لیے دنبہ ذبح کیا۔ حضور ﷺ نے اس سے تناول فرمایا۔ اس کے بعد اس عورت نے ایک طباق میں تازہ کھجوریں پیش کیں تو حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ نوش فرمائیں پھر وضو کیا اور ظہر کی نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوئے تو اس عورت نے آپ کے واپس تشریف لانے پر اس دنبے کے بچے ہوئے گوشت میں سے کچھ گوشت پیش کیا۔ حضور ﷺ نے نوش فرمایا پھر عصر کی نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

حل لغات : قِنَاع : طباق۔ الطبق الذی یو کل عَلَيْهِ و يقَالَ له القنع بالکسر و بالضم ۔عَلَالَة : بچا ہوا گوشت یا بچا ہوا دودھ جو تھن میں رہ جائے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی نیک آدمی کے تشریف لانے پر دنبہ وغیرہ ذبح کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر ۳۰ / ۱۷۴۳: حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ

ترجمہ: ام المنذر سے روایت ہے وہ کہتی ہے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے، ان کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، رسول مقبول ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضور پاک ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ کو فرمایا "یا علی! مت کھا کیونکہ تو ابھی بیماری سے صحت یاب ہوا ہے" جناب علی المرتضیٰ بیٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ نوش فرماتے رہے۔ ام المنذر کہتی ہے کہ میں نے ان حضرات کے لیے تھوڑے سے جَو اور چقندر تیار کیے تو رسول کریم ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ سے فرمایا "یا علی اس کھانے سے کھاؤ، یہ تمہاری مزاج کے موافق ہے۔"

حل لغات: دَوَال: خرما کا خوشہ، اس کی واحد دالیہ ہے اس کو اَلْعَذَق بھی کہتے ہیں۔ مُعَلَّقَةٌ: لٹکا ہوا تعلیق مصدر ہے لٹکانا، کسی امر پر ایک امر کو معلق کرنا، ایک کام کو بغیر کیے رہنے دینا۔ مَهْ: باز رہ۔ نَاقِهٌ: ابھی ناتوان ہو، نَقَهٌ: بیماری سے تندرست ہونا لیکن کمزوری میں مبتلا ہونا۔ سمجھنا۔ (باقی صفحہ ۱۶ پر)

گذشتہ سے پیوستہ

فضائل وخصائص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد قمر صدیقی قادری

سابقہ امتوں سے عمل میں کم اور اجر میں کثیر: شیخ الاسلام امام عزالدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سید عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ گذشتہ امتوں سے عمل میں کم مگر اجر وثواب میں زیادہ ہے۔امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور صلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سابقہ امتوں کی بہ نسبت تمہاری زندگی اتنی ہے جتنا کہ عصر سے سورج ڈوبنے کا وقت ہے۔اہل تورات کو (جب) تورات مقدس دی گئی تو انہوں نے اس پر (اتنا) عمل کیا (جتنا کہ صبح سے دوپہر ڈھلنے تک) پھر جب دوپہر ڈھل گئی تو وہ عمل کرنے سے تھک گئے بعد میں انہیں ایک ایک درہم مزدوری دے دی گئی۔ان کے بعد جب اہل انجیل کو انجیل دی گئی انہوں نے اس پر (ظہر سے عصر تک کے قت کے برابر) عمل کیا پھر بھی اس سے عاجز آ گئے۔انہیں بھی ایک ایک درہم مزدوری دے دی گئی۔پھر ہمیں قرآن کریم دیا گیا، ہم نے اس پر (اتنا) عمل کیا جتنا نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک ہے۔ہمیں اس کے بدلے میں دو دو درہم دیے گئے۔اہل کتاب نے کہا اے ہمارے رب ان کو تو نے دو دو درہم دیے اور ہم کو ایک ایک درہم دیا حالانکہ ہم لوگ عمل میں زیادہ تھے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارا اجر کم کر کے تم پر زیادتی کی ہے۔اہل کتاب نے کہا نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا فضل ہے کہ میں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو درہم عطا کیے ہیں جس کو میں جتنا چاہتا ہوں دیتا ہوں۔[1]

تورات اور زبور میں امت محمدیہ کا ذکر: امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ "المواہب اللدنیہ" میں حدیث مبارک لائے ہیں کہ امام ابونعیم قدس سرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول کریم

1: امام محی السنہ بغوی، مشکوٰۃ مصابیح، باب ثواب ھذہ الامۃ، فصل اول، صفحہ ۵۸۳

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی تو آپ علیہ السلام نے اسے پڑھتے ہوئے جب اس امت کا ذکر پایا تو عرض کیا اے پروردگار! میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو آخر بھی ہے اور سابق بھی ہے (یعنی وجودِ زمانہ کے لحاظ سے تو وہ آخری امت ہوگی اور فضل و شرف کے لحاظ سے سابق و مائق ہوگی) پروردگار! اس امت کو میری امت بنادے تو اللہ تعالی نے فرمایا اے موسی! اس امت کو تمہاری امت کیسے بنادوں وہ تو احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے پروردگار! میں تورات کی تختیوں میں ایسی امت پاتا ہوں جو اپنے سینوں میں اپنی انجیل پڑھتے ہیں (یعنی ان کے سینے کلام الٰہی کا گنجینہ ہیں)۔ پروردگار! اسے میری امت بنادے تو اللہ نے فرمایا وہ امت میرے حبیب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ پروردگار میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں کہ ان میں سے جب کوئی برائی کا ارادہ کرے تو وہ برائی صرف اس کے ارادہ پر نہ لکھی جائے گی اور اگر بدی کا ارتکاب کرلیا تو صرف ایک بدی لکھی جائے گی۔ پروردگار! اسے میری امت بنادے تو اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ وہ تو احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ پروردگار! میں تورات میں ایک ایسی امت پاتا ہوں کہ جسے علم اول وآخر دیا جائے گا اور وہ مسیح دجال کو قتل کرے گی۔ پروردگار اسے میری امت بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ میرے (محبوب مکرم) احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب تو مجھے ہی امت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بنادے اس پر اللہ جل جلالہ نے انہیں اپنے اس ارشاد میں دو خوبیاں مرحمت فرمائیں۔ فرمایا! ''اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالت اور اپنے کلام سے، تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر کرنے والوں میں ہو۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا! میں اس پر راضی ہو گیا ہوں۔[1]

امام بیہقی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اور زبور شریف میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے جو فرمایا اس کا بھی ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے

۱: علامہ یوسف نبہانی، جواہر البحار، ترجمہ علامہ احمد دین توگیروی، جلد سوم، صفحہ ۱۱۰۔۱۱۲

فرمایا کہ ''اے داؤد علیہ السلام تمہارے بعد ایک نبی آئے گا ان کا نام احمد و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔ وہ نبی صادق ہے، میں اس پر کبھی ناراض نہ ہوں گا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہیں کرے گا اور میں نے ہمیشہ کے لیے اسے گناہوں سے محفوظ و معصوم کر دیا ہے، ان کی امت مرحومہ ہے اور ان کو نوافل پر میں وہ اجر دیا ہے جو انبیاء کو دیا ہے اور ان پر مین نے وہ فرائض مقرر کیے ہیں جو انبیاء پر کیے تھے یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن انبیاء جیسا نور لے کر آئیں گے اور ان پہ نور اس لیے ہوگا کہ وہ ہر نماز کے لیے پاکی حاصل کریں گے اور میں نے ان کو غسل جنابت کا حکم دیا ہے جیسا کہ پہلے انبیاء کو دیا تھا اور ان کو حج کا حکم کیا ہے جیسا کہ پہلے انبیاء کو کیا تھا اور میں نے ان کو جہاد کا حکم دیا ہے جیسے میں نے ان سے پہلے رسولوں کو دیا تھا۔ اے داؤد علیہ السلام میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت دی ہے اور آپ کی امت کو کُل امتوں پر فضیلت دی ہے۔

میں نے امت محمدیہ کو چھ خصلتیں دی ہیں جو ان کے سوا دوسری کسی امت کو نہیں دیں۔ خطا اور نسیان کا ان سے مواخذہ نہیں کروں گا اور بلا قصد گناہ کا مواخذہ نہیں کروں گا۔ جب وہ مجھ سے گناہ کی مغفرت چاہیں گے میں ان کو بخش دوں گا اور خوشی خوشی جو عمل اپنی آخرت کے لیے کریں گے اس کے اجر کو دگنا کردوں گا اور ان کے لیے میرے پاس کئی گنا اجر ہوگا اور جس وقت وہ مصائب پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھیں گے تو میں ان کو صلوٰۃ و رحمت اور ہدایت عطا کروں گا اور جنت النعیم کی راہ دکھاؤں گا اور وہ مجھ سے دعا مانگیں گے اور میں قبول کروں گا۔ وہ اس دعا کی قبولیت کے اثر کو یا تو دنیا ہی میں دیکھ لیں گے یا جو برائی ان کو پہنچنے والی ہوگی وہ اس کی برکت سے ان سے دور ہو جائے گی یا ان کے لیے آخرت میں اس دعا کا ذخیرہ کروں گا۔[1]

امام ابو نعیم نے حضرت وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا نبی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں (ایک ایسے) نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجوں گا جو کہ بہرے کانوں اور پردہ غفلت میں لپٹے دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھولے گا جن کی جائے ولادت مکہ مکرمہ اور مقام ہجرت (ومسکن) مدینہ طیبہ ہوگا۔ وہ میرا ایسا بندہ خاص ہے جو اپنے تمام کام میرے ہی بھروسہ پر کرنے والا

---

[1]: امام جلال الدین سیوطی، خصائص کبریٰ، جلد دوم، صفحہ ۳۸۵-۳۸۶

ہے، وہ میرا بندہ محبوب ہے، وہ میرا مختار ہے، وہ میرا محب ہے، وہ مصطفیٰ ہے، وہ رفعت شان والا ہے جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ عفوو درگذر اور پردہ پوشی سے کام لینے والا ہوگا، مومنوں پر شفیق ہوگا۔ وہ بوجھل جانور اور بیوہ کی گود میں یتیم پر آنسو بہائے گا وہ درشت خو اور سخت دل نہ ہوگا۔

وہ بازاروں میں شوروغل کرنے والا نہ ہوگا وہ فحش کلامی نہ کرے گا اور جو وہ کہہ دے گا وہ غلط نہ ہوگا اور (ان کے وقار کا یہ عالم ہوگا کہ) اگر وہ جلتے چراغ کے پاس سے گذرے گا تو ان کے وقار وسکون کی بدولت چراغ نہیں بجھے گا اور اگر وہ چرچراہٹ والے بانس پر بھی گذرے گا تو اس کے قدموں کی چاپ سنائی نہ دے گی۔ میں اسے مژدہ سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجوں گا میں ان کی اُمت کو تمام امتوں میں بہترین بناؤں گا جو نیکی کا حکم کرے گی اور برائی سے روکے گی، میری وحدانیت مانے گی اور مجھ پر ایمان لائے گی مجھ سے اخلاص برتے گی اور میں نے جو کچھ انبیاء پر نازل کیا وہ سب کی تصدیق کرے گی۔ آفتاب وماہتاب کی رعایت رکھے گی (یعنی عبادت کے اوقات کے تعین اور اسلامی مہینہ کے تعین کے لیے ان کو مطالع کی تلاش میں رہے گی۔

وہ دل چہرے اور روحیں خوش بخت ہیں جو مجھ سے اخلاص برتتے ہیں، میں تسبیح وتکبیر وتحمید وتوحید کو ان کی مجلسوں میں ان کا خواب گاہوں میں اوران کی سجدہ گاہوں میں اوران کے سفروحضر میں الہام کروں گا۔ اپنی مساجد میں وہ صفیں اس طرح باندھیں گے جس طرح عرش کے گرداگرد فرشتوں کی صفیں ہیں، وہ میرے دوست و مددگار ہوں گے، میں ان کے ذریعہ اپنے بت پرست دشمنوں سے انتقام لوں گا، وہ میرے لیے کھڑے ہوکر بیٹھ کر اور رکوع وسجود کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ وہ میری خوشنودی کی خاطر اپنے گھر بار اور مالوں کو چھوڑ دیں گے اور وہ میری راہ میں سینہ سپر ہوکر جہاد کریں گے۔

میں ان کی کتاب سے دوسری کتابوں کو اور ان کی شریعت سے دوسری شریعتوں کو اور ان کے دین سے دوسرے ادیان کو ختم کروں گا۔ پس جو کوئی ان کا زمانہ پائے اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے اور ان کے دین وشریعت پر نہ چلے تو وہ میرا نہیں ہے اور میں اس سے بیزار ہوں۔ میں نے انہیں ساری امتوں سے برتر اور امت وسط بنا دیا ہے۔ وہ تمام لوگوں پر گواہ ہیں جب وہ غضب ناک ہوں گے تو وہ

میری تہلیل کہیں گے اور جب ہم جھگڑیں گے تو میری تسبیح پڑھیں گے اور اپنے اعضاء اور اپنے چہروں کو صاف ستھرا رکھیں گے اور ازار ٹخنوں سے اوپر رکھیں گے اور اترتے چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہیں گے اور خون بہا کر قربانی دیں گے۔ ان کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہوں گی۔

شب کو عبادت گزار اور دن میں شیر ہوں گے، وہ خوش نصیب ہیں جو ان کے ساتھ ہیں اور ان کے دین و شریعت اور مذہبی راہ و رسم پر ہیں۔ یہ میرا فضل و کرم ہے میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں، میں خداوند فضل عظیم ہوں۔[1]

(جاری ہے)

بقیہ: انوار غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

سِلْقاً: چقندر۔ اَصِبْ: کھا۔

تشریح: چونکہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم بیماری سے اٹھے تھے اور نقاہت موجود تھی لہٰذا سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کھجور کھانے سے منع فرما دیا کہ ایسا نہ ہو کہ پھر بیمار ہو جائیں۔ "حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بیٹھ گئے" یعنی کھانے سے رُک گئے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فیہ جواز الاکل قائماً بلا کراھۃ لکن ترکہ افضل کما فی الانوار

کھڑے ہو کر کھانے کا بلا کراہت اس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اس کو ترک کرنا افضل ہے جیسا کہ "انوار" میں ہے۔

(جاری ہے)

---

[1]: امام قسطلانی، مواہب للدنیہ بحوالہ جواہر البحار، جلد سوم، صفحہ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔

مولوی جی ایک انسان دوست شخصیت

سید محمد انور شاہ قادری بخاری

(ریٹائرڈ) لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

استاذِ کامل، مرشد اکمل، قطب عالم حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی المعروف مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک انسان دوست شخصیت اور اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی تھے ۔آپ کی خانقاہ معلیٰ پر مسلم وغیر مسلم سب آتے اور آپ ان پر شفقت و مہربانی فرمایا کرتے۔

تحریک پاکستان کے دوران اس خانقاہ معلیٰ کو مسلم لیگ کے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت حاصل تھی۔ قیام پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی ہندو اکثریتی علاقوں میں ہندو غنڈوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم شروع کر دیا۔قتل و غارت اور لوٹ مار کی اطلاعات جب پشاور پہنچیں تو یہاں کے مسلمانوں نے ردِ عمل کے طور پر ہندوؤں ساتھ ایسا ہی سلوک شروع کر دیا۔

قبلہ مولوی جی صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی کی سرپرستی میں یہاں کی ہندو اقلیت کا جان و مال اور عزت و ناموس بچانے کے لیے ناقابل فراموش کردار ادا کیا اور یکہ توت پشاور میں رہائش پذیر تین گھرانوں (امیر چند، رام چند اور میرا چند) کو اپنے آستانہ عالیہ میں پناہ مہیا فرمائی۔[۱]

سکھ عیسائی اور یہودی یہاں آتے تو اپ ان کے ساتھ بھی نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کی حاجات وضروریات پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔

یہ ۱۹۷۰ء کی دہائی کی بات ہے۔اس وقت یہاں ابھی یہ فلش سسٹم والے واش روم نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر مکان کی اوپر والی منزل میں بیت الخلا ہوتا جو یہاں کی کرسچن کمیونٹی کے مرد و خواتین کی ذمہ

[۱]: سید محمد انور شاہ، حیاتِ حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی، شاہ محمد غوث اکیڈیمی پشاور، ۱۹۹۷، صفحہ ۱۳۵-۱۳۶

داری ہوتی کہ وہ آکر صفائی وغیرہ کرتے۔ آپ کی خانقاہ معلیٰ کے بیت الخلاء کی صفائی کے لیے پرویز نامی ایک نوجوان اور اس کی والدہ آیا کرتی تھیں۔ حضور مولوی جی صاحب کے گھر پر انہیں کھانا وغیرہ بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں کئی بار یورپ اور امریکہ سے عیسائی یا یہودی سکالرز جو صوفی ازم پر تحقیق کر رہے ہوتے آپ کے ہاں آتے تو آپ انہیں اپنی پلیٹ میں روٹی توڑ کر کے شوربے میں نرم کر کے دیتے۔

مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے ساتھ بھی آپ کے خوشگوار تعلقات قائم تھے۔ آپ خود اہلسنت سواد اعظم سے تعلق رکھتے تھے۔ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور سلسلہ طریقت میں قادری تھے۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اور ان کے جلیل القدر سلسلہ عالیہ قادریہ میں صاحب سجادہ تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت اس طرح حضور سیدنا غوث الصمدانی، محبوب سبحانی، قندیل نورانی، ہیکل یزدانی، شہبازِ لامکانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے کہ ہر ایک شیخ اپنے والد کا مرید وخلیفہ اور ماذون ہے۔ اصطلاح طریقت میں اسے سلسلۃ الذھب کہا جاتا ہے۔

سیاسی لحاظ سے قیامِ پاکستان کے بعد آپ جمعیت علمائے پاکستان میں شامل ہوئے بلکہ اس جماعت کے بانیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ ابتدا سے لے کر آخر تک اسی جماعت کے مرکزی یا صوبائی صدر کی حیثیت سے منتخب ہوتے رہے، لیکن دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اور اہلِ تشیع کے ساتھ اتحادِ بین المسلمین کے لیے کام کرتے رہے۔ یہی مشن آپ کا آخری دم تک قائم رہا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

تحریک ختم نبوت میں آپ نے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کے ساتھ مل کر کام کیا اور علمائے کرام کے اتحاد و یکجہتی کی بدولت قادیانی آئین پاکستان میں اقلیت قرار دیئے گئے۔ اسی طرح جب 'ملی یکجہتی کونسل' کا قیام عمل میں آیا تو اس میں ابھی آپ نے اہم کردار ادا فرمایا۔ اس کے کئی اجلاس آپ کی خانقاہ عالیہ یکہ توت شریف پشاور میں منعقد ہوئے۔ جہاں تک اختلافِ رائے کا تعلق ہے تو 'جمعیت

علمائے پاکستان' کے جب اجلاس ہوتے تو آپ اس میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا کرتے۔ اگر اس پر اتفاق ہو جاتا تو ٹھیک، اگر کسی دوسری رائے کو اکثریت کی بنیاد پر قبول کیا جاتا تو آپ بھی اسے تسلیم کر لیا کرتے تھے لیکن اس پر دستخط کرتے وقت اپنا اختلافی نوٹ قلم بند کر کے پھر دستخط ثبت فرمایا کرتے۔

اسی طرح علمائے دیو بند کے ساتھ آپ کے تعلقات شروع سے چلے آرہے تھے۔ آپ کے دو اساتذہ کرام کا تعلق دیو بند مکتبۂ فکر سے تھا۔ ایک حضرت علامہ مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسرے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب (امام وخطیب مسجد سول کوارٹر پشاور) تھے۔ ان کے علاوہ پشاور کے تمام جید علمائے کرام سے آپ کے مراسم تھے جن کا تعلق دیو بند مکتبۂ فکر سے تھا۔ ان کی غم و خوشی میں آپ برابر شریک ہوتے اور وہ بھی آپ کے ہاں آستانہ عالیہ پر تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی تصنیف 'تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد' جلد اول قلم بند فرمائی تو اس کتاب پر اباسین آرٹ کونسل کی طرف سے ۱۹۶۴ء میں آپ پہلے انعام کے حقدار ٹھہرائے گئے۔ اس کا مقدمہ حضرت مولانا حافظ پروفیسر محمد ادریس صاحب (صدر شعبۂ عربی، جامعہ پشاور) نے لکھا تھا۔

اسی طرح آپ کی ایک دوسری تصنیف 'تذکرۂ علما و مشائخ سرحد' جلد دوم کا مقدمہ مولانا حافظ پروفیسر محمد عبد القدوس فاضل دیو بند (چیئر مین شعبۂ اسلامیات، جامعہ پشاور) نے تحریر فرمایا۔ انہوں نے ایک مرتبہ آپ کو ایم اے اسلامیات کے طلباء کے زبانی امتحان کے لیے بطورِ ممتحن بلایا تھا حالانکہ عام طور پر اس ذمہ داری کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے چیئر مین کو بلایا جاتا تھا۔

جب ۱۹۵۶ء میں علمائے دیو بند دو گروہوں میں تقسیم ہوئے ۔۔ ایک مماتی اور دوسرا حیاتی کہلایا۔ اول الذکر گروہ چند حضرات مولانا عنایت اللہ گجراتی، قاضی شمس الدین گجراتی، مولوی غلام اللہ خان راولپنڈی اور شیخ محمد طاہر پنج پیر صوابی نے مل کر 'جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ' بنائی اور اس پلیٹ فارم سے مسئلہ سماع موتیٰ، حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر کئی مسائل کا انکار کیا حالانکہ دیو بند مکتبۂ فکر کی اکثریت ان مسائل کی قائل تھی۔[۱] جس کی وجہ سے دونوں گروہوں میں مناظرے اور بحث مباحثے شروع ہوئے۔

---

[۱] غلام شیر زمان راشدی، البیان الاوفی فی تفسیر آیاتِ سماع الموتیٰ، مکتبہ راشدیہ تلہ گنگ، ۲۰۲۴، صفحہ ۳۴۸

وہ سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے بلکہ سوشل میڈیا کی بدولت اس میں شدت پیدا ہو چکی ہے۔ دیوبند مکتبۂ فکر کے حیاتی گروپ سے تعلق رکھنے والے محقق علمائے کرام نے تحریر و تحقیق کے ذریعے اصلاحی کاوشیں شروع فرمائیں۔ جن میں حضرت مولانا مولوی شیخ محمد سرفراز خان صفدر (گوجرانوالہ) نے ان مسائل پر ''تسکین الصدور'' اور ''سماع موتیٰ'' جیسی کتابیں لکھیں جبکہ اٹک سے تعلق رکھنے والے حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''رحمت کائنات'' میں عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدلل ثبوت فراہم کیا۔ دیگر کئی علمائے کرام نے بھی ان مسائل پر کتابیں قلم بند فرمائیں۔

اس عرصے میں قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی اصلاحی کوششیں جاری رکھیں۔ آپ اپنے دادا استاد شیخ الحدیث مسند پشاور حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب کا عربی تصنیف ''تحفۃ الفحول فی استغاثہ بالرسول'' کا اردو ترجمہ ''حیات النبی'' کے عنوان سے کر کے شائع فرمایا۔ نیز مدرسہ اسلامیہ بنوریہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت علامہ مولانا سید زکریا شاہ صاحب بنوری کا رسالۂ ''کشف الغمہ'' کا عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا اور اس کا عنوان ''کرامات الاولیاء بعداز ممات'' رکھا۔

اس اول الذکر گروہ کی طرف سے شرک و بدعت کے نام سے مرنے والوں کے لیے زندوں کی طرف سے صدقہ وخیرات اور دیگر مسائل کا انکار شدت سے شروع کیا گیا جو سوادِ اعظم اہلسنت کا معمول چلے آرہے تھے تو قبلہ مولوی جی صاحب نے ان کی اصلاح کے لیے ''مردوں کو ثواب پہنچنے کا مسئلہ'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر شائع فرمایا۔ جب کہ ایک دوسرا مقالہ ''جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی'' کے عنوان سے لکھا۔ اسی طرح ''نمازِ جنازہ کے بعد دعا'' کے عنوان سے بھی مقالہ قلم بند فرمایا۔

ان تمام مقالات میں قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافی مسائل پر عالمانہ و عارفانہ اور محققانہ انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ مخالفین و معترضین کی طرح شدت اور جارحیت کی بجائے تہذیب، اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ مسئلے کی علمی وضاحت فرمائی۔ کسی کی شخصیت کو ہدفِ طعن نہیں بنایا۔ قلم کی حرمت کو برقرار رکھتے ہوئے نہایت ہی متانت، سنجیدگی اور شائستگی سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی۔

اسی طرح علمائے اہلحدیث کے ساتھ بھی آپ کے مراسم شروع سے قائم تھے بلکہ آخر دم تک رہے۔ زمانہ طالبعلمی میں جب آپ حضرت علامہ حافظ علی احمد جان صاحب کے ہاں سرکی گیٹ پشاور کے اندر محلہ بڑ آسیا میں پڑھتے تھے تو مولوی جی فرماتے ہیں کہ ہمیں استاد محترم حافظ علی احمد جان صاحب اہلحدیث عالم مولانا عبدالقادر صاحب کے ہاں ''درسِ حدیث'' کے لیے بھیجا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عبدالقادر نے ہر حدیث میں گویا اپنا مکان بنا رکھا ہے اور مولانا عبدالقادر صاحب حافظ علی احمد جان صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے قرآن مجید کی ہر آیت میں جھونپڑی بنا رکھی ہے۔ اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے کے علم راسخ کو خراجِ تحسین پیش کیا کرتے تھے۔ جب مولانا عبدالقادر صاحب فوت ہوئے تو قبلہ مولوی جی صاحب کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سعید الدین شیر کوٹی لکھتے ہیں

''میں نے اتنے لمبے عرصۂ تعلق میں ان کی زبان سے کسی کی غیبت یا کسی مختلف المسلک کے لیے ہلکے الفاظ نہیں سنے۔ میں نے ہمیشہ ان سے سب کا ذکر احترام، محبت اور عقیدت سے سنا۔ میں نے انہیں مولانا عبدالقادر سرکی گیٹ والے کے جنازے میں بڑی وارفتہ حالت میں دیکھا۔ البتہ مسلکی، عملی اختلاف وہ بانگ دہل اور شائستگی سے کرنے میں کبھی نہیں رکے۔ ان کے دل میں سب کی محبت رہی اور سب سے انہیں پیار ملتا رہا''۔[۱]

مولوی جی صاحب کے وصال کے بعد ایک تعزیتی ریفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام ہزاروی (نائب مرکزی امیر جمعیت اہلحدیث پاکستان) نے کہا۔

''اختلاف مسلک کے باوجود میں نے اپنے لیے ان کے ہاں جو عزت، جو احترام دیکھا ہے، خدا شاہد ہے کہ اس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا''۔[۲]

---

[۱] مولانا سعید الدین شیر کوٹی صاحب مقامات آہ وفغاں، الحسن ''مولوی جی نمبر'' ۲۰۰۴ء، صفحہ ۶۴۔

[۲] شاہد ودود، مولوی جی علماء کی نظر میں ''الحسن'' مولوی جی نمبر، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۷۱۔۱۷۳

آپ مزید فرماتے ہیں

''یعنی آپ دیکھیں عقیدہ کا اختلاف، عمر کا فرق ہے لیکن انہوں نے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا۔''[۱]

نیز یہ بھی فرمایا کہ

''میں مبالغہ نہیں کرتا، ہم علماء سے ملتے ہیں، بیٹھتے ہیں، ہماری محفلیں ہوتی ہیں لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا نمونہ اگر مجھے نظر آیا تو مجھے اس عظیم ہستی کے اندر نظر آیا۔''[۲]

اسی طرح علمائے اہل تشیع کے ساتھ بھی آپ کے مراسم تھے۔ اہل تشیع کے ایک بڑے عالم فاضلِ قُم یونیورسٹی ایران سید صفدر حسین کا جنازہ بھی آپ نے پڑھایا تھا جس کی اس نے مولوی جی کو خود درخواست کی تھی اور پھر ان کا بیٹا آیا اور مولوی جی صاحب سے عرض کی حضور میرے والد فوت ہو چکے ہیں اور ان کی وصیت ہے کہ میرا جنازہ سید محمد امیر شاہ سے پڑھانا۔ چنانچہ مولوی جی صاحب نے جنازہ پڑھانے سے قبل باقاعدہ اعلان فرمایا کہ تم سب لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ میں سنی ہوں، حنفی ہوں اور فقہ حنفی کے مطابق یہ جنازہ پڑھاؤں گا۔ اگر کسی کو اعتراض ہو تو میں نہیں پڑھاتا لیکن کسی نے اعتراض نہیں کیا اور تمام بڑے بڑے شیعہ علماء نے آپ کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ محلہ مروی ہا پشاور میں اہلسنت بریلوی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والوں اور اہل تشیع کے درمیان ایک پلاٹ کے حوالے سے اختلاف پیدا ہوا۔ بات لڑائی جھگڑے تک پہنچی۔ پولیس نے مداخلت کر کے دونوں طرف سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ غالباً ۱۹۸۰ء کی دہائی کا واقعہ ہے۔ جب یہ معاملہ ڈپٹی کمشنر کے سامنے آیا تو اس نے دونوں فریقین سے پوچھ گچھ کے بعد یہ کیس فیصلہ کے لیے مولوی جی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس عرصے میں پشاور کے بریلوی علماء کا ایک وفد مولوی جی

۱ شاہد ودود، مولوی جی علماء کی نظر میں ''الحسن'' مولوی جی نمبر، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۷۱۔۱۷۳

۲ شاہد ودود، مولوی جی علماء کی نظر میں ''الحسن'' مولوی جی نمبر، ۲۰۰۴ء، صفحہ ۱۷۱۔۱۷۳

صاحب کے پاس آیا تو آپ نے انہیں فرمایا میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطابقت میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ لوگوں نے احادیث شریف میں پڑھا ہوگا کہ ایک یہودی اور مسلمان کے درمیان اختلاف ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ چنانچہ قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق و تفتیش کی۔ یہ پلاٹ کیانی خاندان کی ملکیت تھا۔ آپ نے اس خاندان کے بزرگوں سے رابطہ کیا اور ان سے پوچھ گچھ کی۔ پھر پٹواری سے رابطہ کیا اور خوب اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد آپ نے اہل تشیع کے حق میں فیصلہ دیا۔

اہل پشاور مولوی جی صاحب سے والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اور آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں تھی لیکن ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ مولوی جی صاحب میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ غلط بھی نہیں تھا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو قبلہ مولوی جی صاحب کی طرف سے ایسی ہی شفقت ومحبت ملتی تھی۔ اور پھر اس محبت و عقیدت کا منظر ۱۳ رمضان ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو اس وقت ساری دنیا نے دیکھا جب آپ نے وصال فرمایا تو چھوٹا بڑا ہر ایک یہی پکار رہا تھا کہ ''آج ہم یتیم ہو گئے ہیں'' اور پھر آپ کا جنازہ اس شان سے اٹھایا گیا کہ ایک تاریخ رقم ہوگئی۔ بریلوی، دیوبندی، اہل تشیع اور اہلحدیث سب جنازے میں شامل ہوئے۔ پشاور کی تاریخ میں اس قدر بڑا جنازہ نہ پہلے کبھی دیکھنے میں آیا تھا اور نہ ہی آج تک دوبارہ دیکھنے میں آیا۔ ایک عجیب وغریب بات اس جنازے کی یہ تھی کہ پشاور کے غیر مسلم عیسائی ہندو اور سکھ بھی جنازے کے پیچھے پیچھے غم زدہ چل رہے تھے۔ وزیر باغ میں جب نمازِ جنازہ ادا کی گئی تو اس وقت بھی یہ لوگ آس پاس کھڑے رہے اور جب وہاں سے آپ کا جسد اقدس تدفین کے لیے آبائی قبرستان حضرت ابوالبرکات سید حسن پہنچایا گیا تو یہ لوگ وہاں بھی پہنچ گئے اور پھر غروب آفتاب کے وقت انہیں دیکھا گیا کہ افطار کے لیے کھجوریں پکوڑے اور سموسے اٹھائے چلے آرہے ہیں جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ ہے۔ شاید ہی دنیا کے کسی خطے میں ایسے ہوا ہوگا۔

نعت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت پروفیسر حفیظ تائب رحمۃ اللہ علیہ

قدموں میں شہنشاہِ دو عالم کے پڑا ہوں
میں ذرّۂ ناچیز ہوں یا بخت رسا ہوں

اب کون سی نعمت کی طلب حق سے کروں میں
دہلیز پہ سلطانِ مدینہ کی کھڑا ہوں

اس پیکرِ نوریں کو تصور میں بسا کر
میں روضہ اطہر کی طرف دیکھ رہا ہوں

دامن مرا دھلوایا گیا عرفہ میں پہلے
پھر درگہ سرکار میں بلوایا گیا ہوں

اے کاش ذرا دیر یہیں وقت ٹھہر جائے
میں پیشِ رسولِ عربی نعت سرا ہوں

دراسات الحسنیہ

توحید و رسالت، قرآن حکیم واحادیث کی روشنی میں

قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ ① اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ ② لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ ③ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۴

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۵۶

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ --- اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ --- اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ --- اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ --- اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ --- اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

ھُوَالْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ لِکُلِّ ھَوْلٍ مِّنَ الْاَھْوَالِ مُقْتَحِمِ

جَآءَ تْ لِدَعْوَتِہِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَۃً تَمْشِیْ اِلَیْہِ عَلٰی سَاقٍ بِلاَ قَدَمِ

یَآاَ کْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُبِہٖ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعزّ اسمہ وجل مجدہٗ اپنے پیارے محبوب شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، خاتم النّبیّین، عالم علوم اوّلین وآخرین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل مجھے بھی اور آپ کو بھی قرآن کریم پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے، دنیا اور آخرت میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دامن رحمت ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے---آمین!

الحمد اللہ، ثم الحمد للہ کہ آج اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر عنایت اور تائید کی بدولت یہ نواں درس مبارک ہے۔ احباب نے اِس دفعہ تقاضا کیا کہ توحید و رسالت کے موضوع پر قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں کچھ بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں قرآن پڑھنے اور سننے کے لیے یہاں جمع فرمایا۔ یہ نہ تو میرا کوئی کمال ہے اور نہ ہی اس میں آپ کا کوئی کمال ہے۔ بلکہ یہ سب اُسی کی توفیق وعنایت کا نتیجہ ہے کہ دین کی جو باتیں اس ہیچ مداں کے ذہن میں ہیں انہیں بیان کرنے اور آپ سننے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے، اور اس ذوق وشوق میں مزید اضافہ فرمائے---آمین!

آج کے درسِ قرآن کا موضوع انتہائی اہم، عظیم اور بہت وسیع ہے، اور اس کا بیان صرف ایک نشست میں ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سلسلے میں اپنا مدعا عرض کرنے کے لیے مزید دو تین نشستوں کی ضرورت پڑے گی۔ آج میں نے جو آیاتِ قرآنی تلاوت کی ہیں ان کا ترجمہ اور تفسیر بیان کروں گا مگر اس سے قبل توحید و رسالت کے متعلق کچھ بنیادی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کو اِس موضوع پر

دیئے جانے والے درس کو سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

دین اسلام کی بنیاد عقائد پر رکھی گئی ہے اور عقیدۂ توحید و رسالت کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔توحید کے لغوی معنی ہیں: ایک بنانا یا یکتائی کا اثبات۔ دینی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس تمام صفاتِ کامل کے ساتھ وحدہٗ لاشریک ہے---نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی اُس کی صفات میں کوئی شریک ہے، وہی معبودِ برحق ہے، وہی سب کا خالق ہے، وہی سب کو رزق دینے والا ہے، وہی زندہ کرنے، موت دینے اور پھر زندہ کرنے والا ہے اور وہی جزاوسزا کا مالک ہے۔

توحید کا یہ پاکیزہ تصور رسالت کی وساطت سے ہمیں نصیب ہوا۔ رسالت کے لغوی معنی ہیں پیغامبری یعنی پیغام دینے والا۔ اصطلاحِ دین میں اس سے مراد وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں رسول یا پیغمبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور یہ سلسلۂ رسالت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے پیارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت کا ذکر مبارک یوں بیان فرمایا

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں۔

توحید اور رسالت کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے، انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، توحید کی تکمیل رسالت پر ایمان لانے سے ہوتی ہے۔ اگر صرف توحید کا اقرار کر لیا جائے اور رسالت کو قبول نہ کیا جائے تو بات ہرگز نہیں بنتی۔ ممکن ہے کہ خالی توحید تو گورباچوف، لینن، گاندھی اور شوپن ہار بھی مان لے لیکن یہ فائدہ مند نہیں۔

ہمارے پشاور میں ایک بہت بڑے شاعر گزرے ہیں، بچہ بچہ ان کے نام سے واقف ہے--- اس نیک مجلس میں یاد آ گئے۔ حضرت آغا چن شاہ صاحب قلندری اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے، وہ

فرماتے ہیں

خدا کا جو قائل ہے کافر ہے وہ
اور محمد کا قائل مسلمان ہے

آپ غور فرمائیں، کلمہ طیبہ میں توحید و رسالت کا بیان ایک ساتھ موجود ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (سوائے اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں) یہ کلمہ توحید ہے اور محمد رسول اللہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) یہ کلمہ رسالت ہے۔ پورا کلمہ طیبہ پڑھ کر اس پر ایمان لائے گا تب مسلمان ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو رسالت پر موقوف فرما دیا ہے۔ اسی طرح ہر مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔

کلمہ شہادت میں جہاں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کلمہ توحید کا بیان ہے تو ساتھ ہی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کی صورت میں کلمہ رسالت موجود ہے۔ اذان میں جہاں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہے وہاں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کا بھی ذکر موجود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توحید و رسالت کا ربط اور تعلق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں ہے، یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، ان میں دوئی نہیں، معیت ہے۔ قرآنِ کریم کی اس آیہ مبارکہ پر آپ توجہ فرمائیں، ان شاء اللہ ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے گا

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: اور اے محبوب وہ مٹی جو آپ نے پھینکی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

ایک جہاد میں جب لڑائی شدت اختیار کر گئی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور کفار پر پھینکی۔ خدا کی قدرت دیکھیں کہ وہ مٹی ہر کافر کی آنکھ میں پڑی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔ مذکورہ بالا آیت قرآن میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل اللہ کا فعل ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا بلکہ وہی فرماتا ہے جو اُسے اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم)

یعنی اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے مگر وہی فرماتے ہیں جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔

سبحان اللہ! آپ قرآن کریم کے طرز تخاطب پر غور فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ قرآن پڑھ کر سناتا ہے یا یہ کہ نہیں بولتا مگر وہی جو کہ اُسے وحی کی جاتی ہے۔ نہیں، بلکہ فرمایا کہ میرا محبوب تو اپنی خواہش سے بولتا بھی نہیں یعنی وہ تو توحید میں اتنا مستغرق اور محو ہے کہ اپنی خواہشات کو بھی توحید الٰہی میں فنا کر چکا ہے۔ اس کی اپنی کوئی آرزو نہیں، اُس کی تمنا اور مراد اگر کچھ ہے تو وہ توحید الٰہی ہے۔

میرے محترم شیخ اکبر محی الدین ابن عربی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کا وجود بھی نہیں، جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ توحید کا انتہائی بلند و بالا اور ارفع مقام ہے جو کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اولیائے کرام کو بھی نصیب ہوتا ہے۔ حضرت مولانا جامیؔ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

جامیؔ ز دوئی بگسل یک رُو شوی و یک دل
باشد کہ کنی منزل در عالم یکتائی

اے جامیؔ اس دوئی کو چھوڑ دے یعنی اپنی خواہشات، آرزوؤں اور تمناؤں اور افکار و تخیلات کو پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر گم کردو۔ جب تم حضور کی سیرت کا کامل نمونہ بن جاؤ گے تو پھر توحید کی منزل کو پالو گے کیونکہ فلاح اور کامیابی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے جو پیغمبر بھی بھیجا اس لیے بھیجا کہ خدا کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے۔

(جاری ہے)

مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی و مذہبی خدمات

حاجی تنویر احمد قادری مرحوم

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کا نام وطن عزیز کے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔گذشتہ دو عشروں سے آپ ان دونوں شعبوں میں نہایت جرأت مندی اور ذمہ داری سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں[۱]۔خطابت، سیاست اور تبلیغ سے آپ کو گہرا شغف ہے۔آپ کی باتوں میں وہ جرأت مندی، صاف گوئی اور حقیقت پسندی بڑی نمایاں ہے جو ہمارے سیاسی ماحول سے شام کے سورج کی مانند اب رخصت ہوتی ہوئی محسوس کی جا رہی ہے۔آپ مستقل مزاج اور با اصول سیاستدان کی حیثیت سے اپنے نظریات کے فروغ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔آپ اپنی حقیقت پسندانہ، متوازن سوچ کے باعث قومی و سیاسی حلقوں میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔آپ اسلام اور پاکستان کے معاملے میں انتہائی کھرے اور سچے ہیں اور ان جذبات کا اعتراف و احترام آپ کے سیاسی مخالفین بھی کرتے ہیں۔

جناب جاوید احمد صدیقی اپنی تصنیف ''نورانی سیاست'' کے صفحہ نمبر ۱ پر لکھتے ہیں:

> ''مولانا شاہ احمد نورانی پاکستان میں حقیقی اسلامی اور عوامی سیاست کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔انہوں نے سقوطِ ڈھاکہ کے بعد پاکستانی سیاست میں اپنی ذہانت کے ذریعے فعال اور غیر معمولی کردار ادا کیا۔مولانا نورانی نے غریب عوام کی ہمسائیگی کے ساتھ سیاست کے جس سفر کا آغاز کیا تھا، وہ رشتہ آج بھی باقی ہے بلکہ مولانا کے مخالفین بھی یہ اعتراف کرتے ہیں۔''

[۱]: یہ مضمون اُس وقت تحریر کیا گیا تھا جب مولانا شاہ احمد نورانی صاحب بقید حیات تھے۔

محمد آصف اپنی کتاب ''سیاستدان'' کے صفحہ ۱۳۸ پر آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جمعیت علمائے پاکستان کے رہنما مولانا شاہ احمد نورانی کا نام وطن عزیز کی سیاست میں انتہائی اہم اور قابلِ ذکر ہے۔ سوادِ اعظم کے جید عالم دین اور سیاسی رہبر ہونے کے حوالے سے ان کی شخصیت بیرونِ ملک بھی اچھی طرح پہچانی جاتی ہے جہاں وہ تبلیغی اداروں کے سلسلہ میں قیام فرماتے ہیں۔ اسلام اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ان کی مخلصانہ اور بے لوث کوششوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ پاکستان کو اپنی سیاست کی اساسی اکائی اسلام کو مقرر کرتے ہیں۔ آپ انتہائی ذہین، حاضر جواب اور زیرک سیاسی زعماء میں شمار ہوتے ہیں۔''

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ عظیم مبلغ اور مفکر گزرے ہیں۔ محمد صادق قصوری اپنی کتاب ''اکابر تحریک پاکستان'' کے صفحہ ۱۴۱ پر لکھتے ہیں:

''مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی موجودہ صدی کے مبلغِ اسلام اور عظیم مفکر گزرے ہیں۔ آپ کی شبانہ روز کوششوں اور کاوشوں سے براعظم افریقہ اور یورپ میں شمع اسلام روشن ہوئی، اور ستر ہزار سے زائد غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔''

علامہ شاہ احمد نورانی اسی عظیم فقیہ و مبلغ اسلام کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۸ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ پاک مع تجوید حفظ کرلیا۔ بعدازاں نیشنل عربک کالج میرٹھ اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم مکمل کی۔ آپ نے درسِ نظامی کی تکمیل مدرسۃ الاسلامیہ قومیّہ میرٹھ سے کی اور درس کی تکمیل پر مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی، آپ کے والد ماجد علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے دستہائے مبارکہ سے دستارِ فضیلت آپ کے سر پر سجائی۔

اسلامی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ آپ نے عربی، فارسی، اردو، انگریزی، سواحلی (افریقی) اور فرانسیسی زبانوں پر بھی عبور حاصل کیا۔ آپ ان تمام زبانوں میں اس روانی سے بولتے ہیں کہ خود اہل

زبان دادِ تحسین دیے بغیر نہیں رہتے۔ والد کے وصال کے بعد آپ نے تبلیغی مشن کی ذمہ داری سنبھالی۔

خدمات: حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب تبلیغ دین کے سلسلے میں کافی عرصہ ملک سے باہر رہے۔ ۱۹۶۹ء میں وطن واپس تشریف لائے اور باقاعدہ طور پر میدانِ سیاست میں قدم رکھا۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں آپ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور جمعیت کی پارلیمانی پارٹی کے قائد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

ادیب جاودانی اپنی کتاب ''نورانی سیاست'' کے صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں:

''مولانا شاہ احمد نورانی ہر چند اپنی نوجوانی کی عمر ہی سے سیاست میں رہے ہیں، مگر ان کا نام قومی سطح پر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے بعد اُبھر کر سامنے آیا۔ وہ قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی گروپ کے لیڈر تھے۔''

سقوطِ ڈھاکہ کے وقت ملک سیاسی کشمکش اور سخت بحران سے گزر رہا تھا۔ ملک کے حالات دن بدن بگڑ رہے تھے مگر صدرِ مملکت یحییٰ خان اپنی جامِ شراب میں مست تھے۔ اس وقت بھی مولانا نورانی صاحب نے اپنی حق گوئی اور بے باکی سے یحییٰ خان کی شراب نوشی پر سرزنش کی۔

علامہ شبیر احمد ہاشمی ''ماہنامہ ندائے اہلسنت'' کے صفحہ نمبر ۱۲ میں لکھتے ہیں:

''ڈھاکہ کے کوچہ و بازار میں موت ناچ رہی تھی، غربت کا دیو پھنکار رہا تھا، مگر پاکستان کا، بقولِ سپریم کورٹ، غاصب حکمران یحییٰ خان شراب کا جام سجائے مذاکرات کی میز پر تھا۔ خان عبدالولی خان نے حمود الرحمٰن کمیشن کو بیان دیتے ہوئے بتایا کہ مغربی پاکستان کے لیڈروں میں صرف مولانا شاہ احمد نورانی نے یہ جرأت کی اور یحییٰ خان کو ڈانٹا کہ قوم مر رہی ہے اور آپ شراب پی رہے ہیں، اُٹھایئے اپنا جام و مینا، ورنہ ہم جا رہے ہیں۔ اس پر یحییٰ خان اور اس کے جرنیلوں پر ایک ہیبت طاری ہوگئی اور جام و مینا اٹھا دیے گئے۔''

محمد جاوید صدیقی صاحب ''نورانی سیاست'' کے صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں:

''نورانی یحییٰ مذاکرات میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ڈھاکہ کی پہلی ملاقات میں مولانا شاہ احمد نورانی نے سابق صدر یحییٰ کو فوجی افسروں کی موجودگی میں شراب نوشی پر سرزنش کی، اور دوسری ملاقات میں ملک کے مشہور لیڈروں کی مجلس میں یحییٰ خان سے جرأت مندانہ گفتگو فرمائی، جس سے ان کی حق گوئی اور بے باکی کا پہلو اور نمایاں ہوجاتا ہے۔''

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد مغربی پاکستان کا اقتدار ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے سنبھالا۔ اس وقت بھی مولانا شاہ احمد نورانی صاحب قومی حزبِ اختلاف کے پارلیمانی سیکرٹری کے عہدے پر اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اس وقت آپ نے قومی اسمبلی میں حزبِ اختلاف کے لیڈر خان عبدالولی خان اور قائد ایوان جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے درمیان مصالحتی طور پر بہت حد تک رابطے کا کام کیا۔ اس دوران ایوان کے اراکین کو بھی اپنا ہم خیال بنایا اور اسی طرح دن رات کاوشوں سے ۱۹۷۳ء کے آئین کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کیا۔

چھبیس اور ستائیس مئی ۱۹۷۳ء کو خانیوال -- جو اُس وقت ضلع ملتان کا حصہ تھا -- میں جمعیت علمائے پاکستان کا قومی کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں مولانا شاہ احمد نورانی کو جمعیت کا صدر اور مولانا عبدالستار نیازی کو ناظمِ اعلیٰ (جنرل سیکریٹری) منتخب کیا گیا۔ صدر منتخب ہونے کے بعد مولانا نورانی نے نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے دن رات ایک کیے۔ ملک گیر دورہ فرما کر جمعیت علمائے پاکستان کی تنظیم کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔

سن ۱۹۷۴ء میں ایک مرتبہ پھر تحریکِ ختم نبوت چلی۔ آپ ایک بار پھر سربکف ہوکر میدانِ عمل میں اترے۔ آپ ہی کی کوششوں سے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

جاوید احمد صدیقی ''نورانی سیاست'' کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

''قومی اسمبلی میں آپ جمعیت کی پارلیمانی پارٹی کے قائد منتخب ہوئے اور ایک منجھے

ہوئے سیاستدان اور پارلیمنٹیرین کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا۔ آئین پاکستان کی تدوین میں نمایاں کارنامہ سرانجام دیا۔ آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے اور اسے مکمل اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے پیپلز پارٹی کی اکثریت کو مجبور کرنے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کا سہرا بلاشبہ آپ کے سر ہے۔''

سن ۱۹۷۴ء میں آپ نے تبلیغ کے سلسلے میں ورلڈ اسلامک مشن کی دعوت پر ایک عالمی تبلیغی دورہ کیا۔

جناب محمد صادق قصوری صاحب ''اکابر تحریک پاکستان'' کے صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں:

''تیس دسمبر ۱۹۷۴ء کو ورلڈ اسلامک مشن کی دعوت پر جمعیت علماء پاکستان کا ایک وفد مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں عالمی تبلیغی دورے پر روانہ ہوا، جس میں مولانا عبدالستار خان نیازی اور قائد حزبِ اختلاف سندھ اسمبلی شاہ فرید الحق شامل تھے۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد اس وفد نے کینیا، مشرقی افریقہ، موریشس، آئرلینڈ، انگلینڈ، جنوبی امریکہ کی ریاستیں، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، ہالینڈ اور دیگر بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور قادیانیوں کے بے شمار مراکز بند ہو گئے۔ اس دورے کا کل سفر تقریباً ایک لاکھ میل بنتا ہے۔ اس دورے میں چھ سو سے زائد اجتماعات سے خطاب کیا گیا اور کئی ممالک کے ریڈیو وٹی وی سے بھی خطاب کا موقع فراہم ہوا۔ اس بعد عمرہ کر کے ۱۳ اپریل ۱۹۷۵ء کو یہ وفد پاکستان واپس پہنچ گیا۔''

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی ۱۹۷۶ء میں سینیٹ کے رکن منتخب ہو گئے اور قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں ہونے والی دھاندلیوں اور بے ضابطگیوں کے خلاف پاکستان قومی اتحاد نے جو احتجاجی تحریک چلائی، اُسے تحریک نظامِ مصطفیٰ میں تبدیل کرنے کا سہرا بھی مولانا شاہ احمد نورانی اور آپ کی جمعیت کے کارکنوں کے سر تھا۔

جاوید احمد صدیقی ''نورانی سیاست'' صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

''جب ۱۹۷۷ء میں انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تحریک چلی تو مولانا نورانی

نے اپنی دانشمندی سے اس تحریک کو ملک میں نظامِ مصطفیٰ کی تحریک میں تبدیل کر دیا اوران لوگوں کو بھی نظامِ مصطفیٰ کی حقانیت کا اعتراف کرنا پڑا جن کا پروگرام اس سے مختلف تھا۔''

قومی اتحاد میں بھی آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ تحریک نظامِ مصطفیٰ کے دوران آپ متعدد بار گرفتار کیے گئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اور مسلسل اٹھارہ دن تک آپ کو گڑھی خیرو جیل کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں قید رکھا گیا۔ اس کے بعد کچھ دن سکھر جیل میں بھی قید رہے۔ لیکن ان سب مصائب کے باوجود آپ کے عزم میں ذرّہ برابر بھی تبدیلی نہ آئی اور پورے عزم و استقامت سے تحریک نظامِ مصطفیٰ کی کامیابی کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ اس دوران متعدد بار آپ کو وزارتوں کی پیشکش بھی کی گئی مگر آپ نے ہر بار انہیں حقارت کی نگاہ سے ٹھکرا دیا۔ ان سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے اپنا تبلیغی مشن بھی جاری رکھا۔ (جاری ہے)

قطعہ

سید یاسر بخاری

مرے خیال کی رفعت، سخن وری میں یہ نام
وِلائے شاہِ نجف سے ملا ہر ایک مقام

عطائے ختمِ رُسل ہے یہ نسبت عالی
وہ شہر علم ہیں اور میں ہوں ان کے در کا غلام

گذشتہ سے پیوستہ

فکر اقبال کا ایک نادر مخفی مآخذ

سید انور شاہ قادری بخاری
(ریٹائرڈ) لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبرا پشاور شہر

معرفت کا ایک نادر نکتہ:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے اور چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ہر نماز سے قبل اذان دی جاتی ہے اور نماز با جماعت کھڑی ہونے سے پہلے اقامت پڑھی جاتی ہے۔ ان دونوں (اذان و اقامت) میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ''اللہ'' گیارہ گیارہ بار دہرایا جاتا ہے-- نہ ہی کم نہ ہی زیادہ۔ عرفاء فرماتے ہیں اس میں فقر کے امام ششم حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف مسلمانوں کو رجوع کرنے کی بارگاہِ الٰہی سے تاکید ملتی ہے کیونکہ عام وخاص سب جانتے ہیں کہ آپ گیارہویں والے پیر کے نام سے تمام دنیا میں جانے جاتے ہیں اور آپ کا عرس عرب وعجم میں گیارہویں شریف کے طور پر منایا جاتا ہے۔ حکیم الامت معرفت فقر کا یہ نادر نکتہ اچھی طرح جان چکے تھے لہٰذا یہ شعر رقم فرمایا۔ نیز کئی دیگر اشعار میں بھی اس کی طرف اشارات فرمائے ہیں مثلاً

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر
ہمت ہو اگر ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی ہے اصل حجازی

اُس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شانِ بے نیازی
مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

بالِ جبریل میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے علم وفقر کا آپس میں موازنہ کرتے ہوئے سات اشعار قلم بند کیے ہیں جن میں سے یہ تیسرا اشعر خاص طور پر توجہ کے قابل اور وضاحت طلب ہے۔

علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

یعنی علم راستے کی تلاش میں مدد کرتا ہے جبکہ فقر منزلِ مقصود سے آگاہ ہوتا ہے۔علم سے لوگ عالم فاضل فقیہ اور فلسفی بنتے ہیں جب کہ فقر انسان کو مسیح وکلیم بنا دیتا ہے یعنی فقیر کو مسیح وکلیم کا ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔

مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کلیم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف یعنی معجزات کا ذکر قرآن کریم میں یوں آیا ہے کہ ''آپ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اُڑ جاتا۔مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو شفا عطا فرماتے اور باذن اللہ مردوں کو زندہ کر دیتے اور لوگوں کو ان کے مخفی حالات بتا دیتے۔(آل عمران:۴۹)

اوصاف مسیح وکلیم اور غوثِ اعظم: علامہ اقبال نے مذکورہ بالا اشعار میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ فقر کی بدولت حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اوصاف سے بہرہ مند فرما دیا تھا۔ان کی وضاحت کے لیے درج ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں۔

مرغی و پرندے کا زندہ کرنا: حضرت شیخ عبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائداوانی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بیٹے کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائی اور عرض کی یہ آپ کے

ساتھ والہانہ محبت رکھتا ہے۔آپ اسے قبول فرمائیں میں اپنے حق سے دستبردار ہوں۔آپ نے اس بچے کو سلوک و معرفت پر چلنے کا حکم دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ عورت اپنے بیٹے کو ملنے کے لیے آئی تو دیکھا کہ بھوک اور شب بیداری کے باعث وہ کمزور ہو چکا ہے اور جَو کی روٹی کھا رہا ہے۔اس کے بعد وہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا تو آپ کے سامنے ایک برتن میں سالم مرغی کی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں جو آپ نے تناول فرمائی تھیں۔تو اس نے عرض کی اے میرے سردار آپ خود تو مرغی کھا تے ہیں اور میرے بیٹے کو جَو کی روٹی کھلاتے ہیں۔تو آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر دستِ اقدس پھیرا اور فرمایا اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا تو مرغی زندہ ہو کر کھڑی ہوگئی اور آوازیں بھی نکالیں پھر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا جب تیرا بیٹا اس درجے تک پہنچ جائے گا تو پھر جو اس کا جی چاہے کھائے۔

اقبال نے مثنوی ''پس چہ باید کرد'' میں اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے

ابتدائے عشق و مستی قاہری است
انتہائے عشق و مستی دلبری است

یعنی عشق و مستی کی ابتداء میں قاہری یعنی سختی ہوتی ہے اور جب یہ درجہ کمال کو پہنچ جائے تو پھر دلبری یعنی محبوبی ہے۔

انہیں حضرت قائد اوانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک دن سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس وعظ کے دوران اوپر سے ایک چیل چیختی ہوئی گزری جس سے حاضرین کو پریشانی لاحق ہوئی تو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ہوا اس کا سر لے لے تو فوراً چیل کا سر تن سے جدا ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑی۔ اختتام مجلس پر حضور سیدنا غوث اعظم نے اس کا سر جسم کے ساتھ لگا کر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر پھونکا تو وہ زندہ ہو کر اڑ گئی[۱]۔اقبال نے کیا خوب فرمایا

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

۱: ابوالحسن شطنوفی، بہجۃ الاسرار اردو ترجمہ پروفیسر سید احمد علی شاہ چشتی پروگریسو بکس لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۸۵۔۱۸۶

مردہ زندہ کرنا: ایک مرتبہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ شہر بغداد کے ایک محلے سے گزر رہے تھے۔ وہاں پر دو آدمیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا تو ان سے لڑنے کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ ان میں ایک عیسائی ہے اور دوسرا مسلمان ہے۔ عیسائی کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ وہ مردہ کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے عیسائی سے فرمایا میں نبی نہیں ہوں بلکہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک امتی ہوں۔ اگر میں مردہ کو زندہ کر دوں تو تم ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کو تسلیم کر کے اسلام قبول کر لو گے؟ تو اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ پھر قبرستان گئے، وہاں عیسائی نے ایک بوسیدہ قبر کی طرف اشارہ کیا کہ اسے زندہ کریں تو آپ نے فرمایا قم باذن اللہ (کھڑے ہو جا اللہ تعالیٰ کے حکم سے) تو قبر پھٹ گئی اور مردہ زندہ ہو کر باہر نکل آیا جسے دیکھ کر عیسائی مسلمان ہو گیا[1]۔ حکیم الامت نے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا

از قم او خیزد اندر گور تن
مردہ جاں ہا چوں صنوبر در چمن

یعنی آپ کے ارشاد قم سے مردہ قبر سے نکل کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے صنوبر کا درخت باغ میں کھڑا ہوتا ہے۔

جبکہ اردو میں بھی اس پر یوں گویا ہوئے

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

اس ضمن میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنا شعر بھی ملاحظہ فرمائیں

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیِّتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

یعنی اگر میں اپنا راز مردے پر ڈالوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر کھڑا ہو جائے۔

(جاری ہے)

[1]: نصیر الدین ہاشمی، جمال غوثیہ، کتب خانہ عام احمد رضا خان لاہور (۱۹۹۹ء) صفحہ ۳۷

غزل

سید العشاق حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شورِ دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی

عقل از تو چہ در یابد تا وصف تو اندیشد
در عقل نمی گنجی در وصف نمی آئی

پنہانی تو پیدا پیدائی تو پنہان
ہم از ہمہ پنہانی ہم بر ہمہ پیدائی

زان سایہ کہ افکندی بر خاک گہ جلوہ
دارند ہمہ خوبان سرمایہ زیبائی

بی پردہ آب و گل ما را ننمائی رو
خورشید درخشان را تا کی بہ گل اندائی

ای گشتہ عیان ہر جا، ہر جا کہ شوی پیدا
گردد ز غمت شیدا صد عاشق ہر جائی

جامی ز دوئی بگسل یک روی شو و یک دل
باشد کہ کنی منزل در عالم یکتائی

گذشتہ سے پیوستہ

سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہم درس کی نظر میں

الحاج صوفی مشتاق احمد صاحب صدیقی مرحوم ایک مایہ ناز ماہر تعلیم تھے۔ آپ بانی مدیر اعلیٰ "الحسن" کے ہم جماعت، ہم درس اور رفیق تھے۔ لڑکپن سے لے کر عمر کے آخری ایام تک محبت والفت کا یہ رشتہ قائم رہا۔ آپ کی زندگی، افکار وخیالات اور قطب عالم حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیتے وقت کے حوالہ سے آپ کی زریں یادوں سے قارئین "الحسن" کو مستفید کرنے کی غرض سے جب ادارہ "الحسن" نے انہیں انٹرویو کرنے کے لیے رابطہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "آپ ایک مفصل سوال نامہ مجھے دے دیں، میں پڑھ کر ان کے جوابات تحریر کر دوں گا۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اب ان کا یہ تحریری انٹرویو قارئین کے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

سوال: آپ نے حضرت العلامہ حافظ علی احمد جان صاحب کے حلقۂ درس میں کب شمولیت کی؟

جواب: یہ غالباً ۱۹۳۹ء کی ایک مبارک شام تھی جب راقم نے درس میں شمولیت اختیار کی۔

سوال: آپ کے ہم درس ساتھیوں کے اسماء گرامی کیا ہیں؟

جواب: حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شمولیت اختیار کرنے والے چند اصحاب کے اسماء گرامی ذیل ہیں: خان بہادر ڈاکٹر حکیم اللہ خان، خان بہادر نقشبند خان، حضرت سید چن بادشاہ صاحب، مولانا حافظ عبد الحمید صاحب، پروفیسر عبید الرحمان صاحب، جناب نصیر الدین صاحب (پرسنل اسسٹنٹ ٹو

ڈائریکٹر تعلیمات صوبہ سرحد)، جناب عبدالرشید صاحب ارشد (چیف انجینئر محکمہ ٹیلی فون)، جناب غلام سرور صاحب (سپرنٹنڈنٹ کیمپٹر ولر آفس)، جناب مولانا مولوی سید محمد امیر شاہ صاحب قادری الگیلانی المعروف بہ مولوی جی صاحب، ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب، سید نور حسین شاہ صاحب (سپرنٹنڈنٹ پی ڈبلیوڈی)، حافظ تاج محمد صاحب، جناب مولوی تاج محمد صدیقی اور راقم الحروف مشتاق احمد صدیقی۔

سوال: بحیثیت معلم قرآن قبلہ حافظ صاحب کے اوصاف کا اجمالی ذکر کریں؟

جواب: قبلہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت کے بالغ النظر اور ثقہ علماء کرام اور صاحب طریقت بزرگانِ دین کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ قرآن پاک کی تفسیر کے لحاظ سے حافظ صاحب کا مطالعہ نہایت جامع اور عمیق تھا۔ صوفیاء کرام کی صحبت نشینی کی بدولت طریقت کے اسرار و رموز سے گہرا لگاؤ تھا۔ قرآن پاک کی لغات کی تشریح ائمہ لغات کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے۔ دینی و معاشرتی مسائل کی تشریح حدیث نبوی اور فقہ حنفی کی روشنی میں کرتے تھے۔

دورانِ تدریس تاریخی حقائق، جغرافیائی عوامل اور سائنس کی آفاقی صداقتوں کی وضاحت مدلل انداز میں کرتے تھے۔ ہر ذوق کا طالبعلم اپنے ظرف کے مطابق حافظ علی احمد جان صاحب کے درس سے استفادہ کرتا تھا۔

حافظ صاحب جب قرآن حکیم کا درس دیتے تو ایک طرف علم و حکمت کے موتی لٹاتے تو دوسری سلوک و معرفت کے اسرار رموز کی نورانی تجلیات کی نقاب کشائی کرتے۔ تاریخی، جغرافیائی اور سائنسی حقائق کی تشریح بھی کماحقہ کرتے۔

سوال: قبلہ مولوی جی صاحب کے بچپن اور زمانہ طالبعلمی کے واقعات ایک ہم درس رفیق کی حیثیت سے بیان فرمائیں؟

جواب: مولوی جی صاحب سے رفاقت کا سلسلہ کم و بیش ۱۹۳۰ء سے شروع ہوتا ہے جب آپ مڈل سکول محلہ خداداد میں زیر تعلیم تھے۔ وہاں ششم تا ہفتم ہم سبقی کا موقع ملا۔ مولوی جی ابتدائے لڑکپن سے ہی انتہائی خلیق، مہمان نواز، ہمدرد، دوست شناس اور دوست پرور تھے۔ طبیعت میں حد درجہ انکساری اور

شفقت پائی جاتی تھی۔ شائستگی منکسر المزاجی اور اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے دلوں کو موہ لیتے تھے۔ اگرچہ آپ سالکانِ راہِ طریقت کے چشم و چراغ تھے لیکن عام مشائخ وقت کی طرح نمود و نمائش سے گریزاں رہتے تھے۔ آپ ہمیشہ اس اصول پر کاربند رہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است

مولوی جی کا لڑکپن اور زمانہ طالبعلمی کا عرصہ انہی صفاتِ عالیہ سے عبارت ہے۔

سوال: حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں مولوی جی صاحب کی حیثیت اور کردار پر روشنی ڈالیں؟

جواب: قبلہ حافظ صاحب کے درس میں ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے اصحاب شامل تھے۔ عالم و فاضل بھی مشہور و معروف ڈاکٹر صاحبان، حفاظ، اعلیٰ سرکاری افسر اور اساتذہ اور مشرب طریقت کے راہی بھی تھے۔ مگر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں ابو البرکات حضرت سید حسن بادشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرہ محترم سید محمد امیر شاہ صاحب قادری الگیلانی المعروف بہ مولوی جی صاحب کو اپنی خاندانی عظمت و تقدس، حصول علم کی سچی لگن اور سلوک و معرفت کے ساتھ گہرے شغف کی بنا پر منفرد مقام حاصل تھا۔

قدرت نے آپ کی طبیعت کو شروع ہی سے تحقیق و تجسس اور تحریر و تقریر کی طرف مائل کر دیا تھا۔ درس کے دوران حافظ علی احمد جان صاحب کی عالمانہ موشگافیوں اور حکیمانہ در افشانیوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ مولوی جی کے اندر چھپے ہوئے محقق، مورخ اور مصنف نے دھیرے دھیرے حقیقت کا روپ دھارنا شروع کیا۔

اس علمی کاوش کو نتیجہ خیز بنانے اور علم و حکمت میں بلند مقام حاصل کرنے کے لیے آپ ۱۹۳۶ء میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں علماء کرام سے اکتساب فیض کیا لیکن ان کے ذہن میں عرفان و ایقان کی جو تڑپ موجزن تھی اس کا مداوا نہ ہوسکا۔ اسی منزل شوق کی چاہت انہیں کچھ ہی عرصہ بعد ۱۹۳۷ء میں واپس پشاور کھینچ لائی اور آپ نے قبلہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ بلاریب حافظ صاحب قبلہ نہ صرف ایک کہنہ مشق اور جید عالم دین تھے بلکہ سلوک و معرفت کے گہرے رمز شناس بھی تھے۔

مولوی جی صاحب نے جن دوسرے اساتذہ سے علم وعرفان کا درس حاصل کیا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں مولوی اعزاز علی صاحب نمایاں تھے۔ پشاور میں آپ نے جن علماء کرام سے دینی علوم کی تکمیل کی ان میں مندرجہ ذیل حضرات مشہور ہیں۔

۱: مفتی سرحد حضرت العلامہ مولوی عبدالرحیم صاحب پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ مجاہد اعظم حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

۲: حضرت العلامہ مولانا مولوی صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب سے آپ نے قرآن مجید کی تفسیر اور مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ اور تفسیر کی تکمیل کی۔ انہی سے آپ نے دیگر علوم درسیہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب طریقت میں امیر شریعت حضرت پیر صاحب جماعت علی شاہ سے دست گرفتہ تھے۔

۳: حضرت العلامہ مولانا مولوی الحاج حافظ گل فقیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے صحاحِ ستہ کی سماع کر کے سند حدیث المشہور ''ثبتِ امیری'' حاصل کی جو طریقت میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے بیعت وخلافت رکھتے تھے۔

۴: عربی ادب اور صرف ونحو کی تعلیم آپ نے حضرت مولانا مولوی سید ایوب شاہ صاحب جعفری سے حاصل کی۔ قبلہ جعفری صاحب خصوصی طور پر ان علوم میں ماہر تھے، آپ طریقت میں بریلوی مکتب فکر کے امام اعلیٰ حضرت احمد ضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند اور مداح تھے۔

۵: مولانا مولوی الحاج فضل الرحمان نقشبندی سے نحو میں کافیہ کی تعلیم حاصل کی۔

۶: مولوی جی صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے مولوی عبدالعلیم صاحب اور حضرت العلامہ مولانا مولوی عبدالمنان صاحب ہزاروی ثم پشاوری سے بھی مختلف دینی کتب کا مطالعہ کیا۔

۷: مولوی جی صاحب نے دین کی ابتدائی تعلیم مولانا مولوی شیر احمد صاحب امام مسجد یکہ توت سے حاصل کی۔ آپ نے ان سے فارسی نظم، محمود نامہ، یوسف زلیخا، مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں پڑھے۔

مولوی جی علم عرفان کے اتنے دلنواز اور محبت افروز سرچشموں سے سیراب ہوئے تو منبع حسن و جمال بن کر دلوں کو منور کرنے لگے۔ ان کے نہاں خانہ دل میں اگر ایک طرف شریعت کی پر کیف لہروں کی چمک دمک جلوہ گر ہے دوسری طرف سلوک و معرفت کی روحانیت پرور اور نورانیت نواز موجوں کی تابندگی جگمگا رہی ہے۔ یہ ہے مولوی جی کی دینی تعلیم اور طریقت کے اسرار و رموز کے حصول کا مختصر سا خاکہ۔ آپ پر صائب کا یہ شعر صادق آتا ہے

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حقیقت یہ ہے کہ مولوی جی صاحب ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ نہ صرف شیخ طریقت اور متبحر عالم ہیں بلکہ ایک محقق، مورخ، مدرس، صحافی، سیّاح اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے بھی منفرد اور امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔

مولوی جی بحیثیت محقق و مورخ: مولوی جی کی مشہور و معروف تصانیف ''تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ''، ''تذکرہ علماء و مشائخ سرحد'' سے جو شواہد ملے ہیں ان کی روشنی میں آپ کی مختلف الجہت شخصیت کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے جو یقیناً جویائے حقیقت کے لیے سرمہ بصیرت ہوگا۔

آپ نے علماء و مشائخ کے حالاتِ زندگی جمع کرنے کے لیے مختلف کتب خانوں کا مطالعہ کیا۔ جگہ جگہ سے حالات زندگی کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان حالات کی صحت کے بارے میں گلی گلی، کوچہ کوچہ دیہہ بہ دیہہ پھر کر معمر خواتین و حضرات سے تصدیق کرائی۔ محنت شاقہ کے بعد آپ نے فہم و بصیرت کی روشنی میں صحیح مستند اور مصدقہ حالات کو صفحہ قرطاس کی زینت بنایا۔

علماء کرام اور مشائخ عظام کی زندگی کے حالاتِ طیبہ مشعل راہ ہیں۔ ان مردانِ حق شناس کے لیے جو شریعت و طریقت ہر دو کی چاشنی سے یکساں مستفید ہونا چاہتے ہیں بالفاظ دیگر یہ سنگ میل ہے مثلاً شیانِ فلاحِ دین و دنیا اور طلبگارانِ رضائے الٰہی اور اطاعت شعارانِ سرورِ دنیا و دین کے لیے۔

ذیل میں آپ کی چند مشہور تصانیف کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

'تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ' میں مولوی جی نے برصغیر ہند و پاکستان میں اپنے خاندانِ عالیہ کے تمام مشہور بزرگوں کے حالات رقم کیے ہیں۔ برصغیر میں اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب قادری الگیلانی المشہور بہ صحابی رسول اپنے آبائی وطن بغداد شریف کو خیر باد کہہ کر تبلیغ اسلام کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے اور سندھ کے علاقے ٹھٹھہ میں سکونت پذیر ہوگئے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

ان کے بعد ان کی اولاد نسل بعد نسل رشد و ہدایت کی تعلیمات سے بندگانِ خدا کو فیضیاب کرتی رہی۔ انہوں نے کشمیر پنجاب سرحد عرض میں اسلام کی ابدی صداقتوں کی تبلیغ کرتے ہوئے کافروں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور دین حق سے برگشتہ مسلمانوں کو معصیت اور گمراہی کی زندگی ترک کر کے تقویٰ اور تقدس کی زندگی گزارنے کی طرف رہنمائی کی۔ ان بزرگانِ دین کی صحبت سے فیضیاب ہو کر کئی باکمال علماء اور صاحب نظر مشائخ پیدا ہوئے دین حق کی تبلیغ اور ترویج میں اہم اور گرا قدر کردار ادا کیا۔

اس عظیم قادری الگیلانی خانوادے کا سلسلہ طریقت حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندانِ جلیل سے درجہ بدرجہ ہوتا ہوا پشاور میں منجملہ سادات کرام کے کئی دوسرے معزز اور محترم گھرانوں کے آقا سید محمد زمان شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت مولوی جی صاحب تک پہنچتا ہے جو اپنے عظیم بزرگان سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ رشد و ہدایت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

اسی طرح 'تذکرہ مشائخ وعلماءِ سرحد' (جلد اول) میں قبلہ مولوی جی نے صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں کے مشہور و معروف مشائخ عظام اور علماء کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ 'تذکرہ مشائخ وعلماء سرحد' جلد دوئم میں پشاور، مردان اور ہزارہ کے مشہور و معروف صوفیاء کرام اور علماء کا ذکر درج ہے۔ 'تذکرہ حفاظ پشاور' میں مولوی جی نے پشاور کے مشہور حفاظ حضرات کے حالاتِ زندگی لکھ کر دینی ادب میں ایک نئی صنف کا اضافہ کیا۔

آپ کی دیگر مشہور تصانیف میں 'نماز مقبول'، 'تفصیل تقبیل ابہامین، (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے ذکر پر انگوٹھے چومنے کا مسئلہ)'، 'انوار غوثیہ شرح شمائل النبویہ، (حدیث نبوی کے مشہور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی تالیف کا ترجمہ مع حل لغات، اسماء الرجال اور شرح اردو زبان میں)'، 'خوارقِ عادات' (حضرت شاہ غلام قادری الگیلانی نبیرۂ حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی تحریر کا اردو ترجمہ) 'کراماتِ اولیاء بعد از ممات' (حضرت سید زکریا شاہ صاحب بنوری کے عربی رسالے 'کشف الغمہ' کا اردو ترجمہ) اور صحیح بخاری شریف کی فارسی شرح از محدثِ کبیر حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پارے کا اردو ترجمہ مع اصل فارسی متن خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

بیسویں صدی کے دوران مولوی جی صاحب نے حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی سے موسوم ایک اکیڈیمی 'شاہ محمد غوث اکیڈیمی' کے قیام کا اعلان کیا جس کے زیر اہتمام تحقیقاتی مقالہ جات، مختلف دینی اور روحانی موضوعات پر تالیف اور تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ معرض وجود میں آیا۔

یہ اسی اکیڈیمی کے قیام کا نتیجہ ہے کہ مولوی جی کی علمی اور فکری رہنمائی کے تحت آپ کے حلقۂ درس کے ذہین اور فہم خوشہ چینوں نیز ملک بھر کے ادیبوں مفکروں، علماء کرام اور صلحاء عظام کی فکری کاوشوں کی بدولت پندرہ روزہ ''الحسن'' پشاور کی خصوصی اشاعتیں کتابی اور رسائل کی شکل میں جو یائے رشد و ہدایت کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنیں۔

''الحسن'' نے دینی صحافتی دنیا میں ایک اہم کردار ادا کیا اور روٹین شماروں کے علاوہ خصوصی نمبرز شائع کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ ان میں 'ابو البرکات سید حسن قادری الگیلانی نمبر'، 'غوث اعظم نمبر'، 'جمعیت سادات کنونشن نمبر'، 'حضرت آقا پیر جان نمبر'، 'محدث کبیر شاہ محمد غوث قادری الگیلانی نمبر'، 'حیاتِ حافظ سید محمد زمان شاہ قادری الگیلانی نمبر'، 'سید الشہداء نمبر'، 'عمامہ نمبر'، 'ذوالنورین نمبر'، 'صدیق اکبر نمبر'، 'فاروق اعظم نمبر'، 'امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ نمبر'، 'امام اعظم امام ابوحنیفہ نمبر' شامل ہیں۔

(جاری ہے)

حفیظ تائب کی فکری صلاحیتیں

ڈاکٹر خورشید رضوی

تقدیم

لفظ ''نعت'' کے لغوی مباحث کی تفصیل کو ایک طرف رکھتے ہوئے اگر گفتگو کا آغاز ''نعت'' کے اُس عام فہم اصطلاحی مفہوم سے کیا جائے جو۔۔کم از کم اُردو کی حد تک۔۔ مسلّم ہے تو اُس سے مراد صرف نبی اکرم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منظوم مدح وستائش طے پاتی ہے۔

اِس تعریف کے مطابق اوّلین نمایاں نعتیہ اشعار غالباً وہ قرار پائیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمِ محترم جناب ابوطالب کے معروف لامیہ قصیدے[1] میں آتے ہیں اور جن میں یہ مشہور شعر شامل ہے:

وَ اَبۡیَض یُسۡتَسۡقَی الۡغَمَامُ بِوَجۡهِهٖ
ثِمَالُ الۡیَتَامٰی عِصۡمَةٌ لِلۡاَرَامِلِ

یعنی اُجلی رنگت والا جس کے چہرے کا واسطہ دے کر بارش مانگی جاتی ہے۔ یتیموں کا سہارا، حاجت مندوں کی پناہ۔[2]

عرب کے مشہور شاعر اعشیٰ نے بھی اواخرِ عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح کہی اور خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کے لیے چلا مگر کم نصیبی کہ کفارِ قریش کے بہکانے پر واپس ہو گیا اور دولتِ اسلام سے محروم رہا۔ اُس کے یہ اشعار بہرحال روایتِ ادب میں محفوظ چلے آتے ہیں:

اَلاَ اَیُّهٰذَا السَّآئِلِی اَیۡنَ یَمَّمَتۡ فَاِنَّ لَهَا فِیۡ اَهۡلِ یَثۡرِبَ مَوۡعِدَا

[1] یہ طویل قصیدہ سیرتِ ابنِ ہشام میں دیکھا جاسکتا ہے۔

[2] مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر: فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ۔

فَآلَيْتُ لاَ اَرْثِيْ لَهَا مِنْ كَلاَلَةٍ وَلاَ مِنْ حَفًى حَتّٰى تَزُوْرَ مُحَمَّدًا

اسی سے مستفاد معلوم ہوتا ہے۔

مَتٰى مَا تُنَاخِيْ عِنْدَ بَابِ ابْنِ هَاشِمٍ
تُرَاحِيْ وَ تَلْقَى مِنْ فَوَاضِلِهٖ يَدًا
نَبِيٌّ يَرٰى مَا لَا يَرَوْنَ وَ ذِكْرُه
اَغَارَ لَعَمْرِيْ فِي الْبِلَادِ وَ اَنْجَدَا
لَه صَدَقَاتٌ مَّا تُغِبُّ وَ نَائِلٌ
وَ لَيْسَ عَطَاءُ الْيَوْمِ مَانِعه غَدًا

''اے پوچھنے والے، کہ میری ناقہ کہاں کا رُخ کیے ہوئے ہے؟ واضح ہو کہ اُس کی ملاقات اہلِ یثرب سے طے ہے۔ میں قسم کھا چکا ہوں کہ نہ اُس کی تھکن پر ترس کھاؤں گا اور نہ اُس کے پیروں کے گھِس جانے پر تا آنکہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور جا کھڑی ہو۔ اے ناقہ جب تجھے ابنِ ہاشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر بٹھا دیا جائے گا تب تجھے راحت نصیب ہوگی اور اُن کے جود و کرم کے احسانات حاصل ہوں گے۔ وہ نبی ہیں، ایسے امور پر نگاہ رکھتے ہیں جنھیں دوسرے نہیں دیکھ سکتے اور میری زندگی کی قسم، اُن کا ذکرِ خیر قریے قریے کے نشیب و فراز میں پھیل گیا ہے، اُن کی داد و دہش میں کبھی ناغہ نہیں ہونے پاتا، اور آج کی عطا اُنھیں آئندہ روز (کی عطائے مکرّر) سے مانع نہیں ہوتی۔''

بعد ازاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعت گوئی کا ایک طویل سلسلہ ہے جسے ارشادِ ربّانی صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی بجا آوری کی ایک صورت سمجھنا چاہیے۔ اہلِ علم نے دوسو کے قریب صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم کے نام گنوائے ہیں، جنھوں نے نعت گوئی کا شرف حاصل کیا۔ اُن میں حضرت حسّان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن زُھیر کے اسماءِ گرامی خاص طور پر نمایاں ہیں۔

پھر یہ تسلسل تابعین اور تبع تابعین سے ہوتا ہوا عرب و عجم کے متاخر شعرا میں نفوذ کرتا چلا گیا اور صرصری و بوصیری، سعدی و جامی رحمہم اللہ جیسے بزرگوں سے ہوتا ہوا برصغیر کی نعت گوئی میں جلوہ گر ہوا۔ ہمارے معاصرین میں جناب حفیظ تائب کو عرصۂ نعت کا نمایاں ترین شہسوار تسلیم کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے گویا رفتگاں کی روایت سے اپنا سلسلہ متصل کرنے کے لیے نعت گوئی کے بعض اساطین کا ذکر اپنی ایک دُعائیہ نظم میں یوں کیا ہے:

یا رب ثنا میں کعب کی دل کش ادا ملے
فتنوں کی دوپہر میں سکوں کی ردا ملے
حسّان کا شکوہ بیاں مجھ کو ہو عطا
تائیدِ جبرئیل بوقتِ ثنا ملے
بوصیریِ عظیم کا ہوں میں بھی مقتدی
بیماریِ الم سے مجھے بھی شفا ملے
جامی کا جذب، لہجۂ قدسی نصیب ہو
سعدی کا صدقہ شعر کو اذنِ بقا ملے
آئے قضا شہیدیِ خوش بخت کی طرح
دُوری میں بھی حضوریِ احمد رضا ملے
مجھ کو عطا ہو زورِ بیانِ ظفر علی
محسن کی ندرتوں سے مرا سلسلہ ملے
حالی کے درد سے ہو مرا فکر استوار
ادراکِ خاص حضرتِ اقبال کا ملے

جو مدحتِ نبی میں رہا بامراد و شاد
اُس کاروانِ شوق سے تائبؔ بھی جا ملے

جنابِ تائب کی دُعا قبولیت سے سرافراز ہوئی۔ اُن کی زندگی اسی کاروانِ شوق کی پیروی میں بسر ہوئی اور بالآخر وہ اسی سے جا ملے۔ تائب صاحب نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا اور اِس کوچے میں بھی بہت جما کر قدم رکھا، اُن کا مجموعۂ غزلیات ''نسیب'' اِس رہگذر پر اُن کے نقوشِ قدم کا امین ہے۔ تاہم اُن کے ہاں محملِ غزل میں بھی سلمائے نعت کی جھلک جا بجا برقِ پسِ ابر کی طرح کوند کوند جاتی تھی۔ ''خوشبو'' ردیف کی ایک غزل کا مقطع ملاحظہ ہو:

میں نہ کیوں اس پہ جان دوں تائبؔ
جب نبی کو پسند تھی خوشبو

آہستہ آہستہ نسیب وتشبیب کی یہ تمہید ختم ہوئی اور وہ اپنے قصیدۂ حیات کے اصل موضوع یعنی ''نعت'' پر آ گئے اور پھر اِسی پر مرتکز ہو کر زندگی تمام کر دی

بس اب ارادہ نہیں کہیں کا
کہ رہنے والا ہوں میں یہیں کا

اُن کا اوّلین مجموعۂ نعت 'صلّوا علیہ وآلہٖ' ۱۹۷۸ء میں منظرِ عام پر آیا تو اُس وقت تک نعت گوئی میں اُن کا کمال مسلّم ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُس کے آغاز میں ''تجزیہ'' کے عنوان سے استاذ الاساتذہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب کا جو پیش لفظ شامل ہے، اُس میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''اِسی گلشن کا ایک بلبلِ خوش نوا حفیظ تائب ہے، جس کی نعت اب زمانے پر اپنا نقش قائم کر چکی ہے، لہٰذا تعریف وتعارف کی کوئی سعی اُس کے کمالِ فن کی تنقیص کے برابر ہو گی۔''

'صلّو علیہ وآلہٖ' کی نعتوں میں وہ سارا فنی سلیقہ صرف ہوتا نظر آتا ہے جو جنابِ حفیظ تائب نے دورِ غزل گوئی میں حاصل کیا تھا۔ کتاب کا اوّلین قصیدہ 'آیۂ نور' خاصے کی چیز ہے جو مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کے

قصیدۂ نعتیہ کی زمین میں ہے جس کا مطلع ہے:

میں بھی ہوں حُسنِ طبع پر مغرور
مجھ سے اُٹھیں گے اُن کے ناز ضرور

مولانا نے تشبیب کی جگہ تعلّی کا طویل ابتدائیہ باندھا ہے جسے انہوں نے از روئے انکسار ماضی کے ''ہذیانات'' میں شمار کیا ہے اور پھر اس سے گریز کر کے نعت گوئی کی طرف آئے۔ جناب تائب نے گریز سے گریز کرتے ہوئے ابتدا ہی اصل مدّعا سے کی ہے:

جب کیا میں نے قصدِ نعتِ حضور
ہوئے یک جا شعور و تحتِ شعور

پھر نور و حضور و سرور کے قوافی سے گزرتے ہوئے اُن کا توسنِ طبع غزل کی روش پر چل نکلتا ہے مگر موضوع سے ہٹے بغیر

اُس کی خدمت میں کچھ برنگِ غزل
بہ اُمیدِ قبول و قرب و حضور

اور اِس موجِ خرام سے دور کی ردیف اور یار اور قرار کے قوافی کی راہ نکالتا ہے

آبِ جو کی طرح ہوں سرگرداں
نکل آیا ہوں کوہسار سے دور
اک گلِ حیرت و ملال ہوں میں
مسکرایا ہوں شاخسار سے دور

یاد آتا ہے کہ تائب صاحب نے خود سنایا تھا کہ اِس قصیدے کا ایک شعر آغاز میں غالباً یوں تھا

وہ کہ ہے سوز و سازِ نبضِ حیات
وہ کہ ہے حاصلِ سنین و شہور

حافظ محمد افضل فقیر صاحب نے جن سے تائب صاحب کی بے تکلفی اور دلی یگانگت تھی 'حاصل' کے لفظ سے بے اطمینانی محسوس کی۔ تائب صاحب غالباً پہلے ہی اِس سے مطمئن نہ تھے۔ بہت سے متبادل سوچے گئے مگر تائب صاحب کا خلجان دور نہ ہوا۔ ایسا احساس ہوتا تھا کہ ایک خاص لفظ اِس محل کے لیے پہلے سے مقدّر ہے مگر سامنے نہیں آ رہا۔ کافی عرصے کے بعد دونوں دوستوں کی ملاقات ہوئی تو تائب صاحب نے کہا ''مولانا! جس لفظ کی تلاش تھی آخر مل گیا ہے۔'' (دونوں ایک دوسرے کو از روئے بے تکلفی ''مولانا'' کہہ کر خطاب کرتے تھے)۔ پھر شعر دہرایا:

وہ کہ ہے سوز و سازِ نبضِ حیات
وہ کہ ہے غایتِ سنین و شہور

جناب فقیرؔ نے اتفاق فرمایا کہ واقعی لفظ ''غایت'' ہی وہ غایت تھی جس تک طائرِ خیال رسائی چاہتا تھا اور پھر کہا ''مولانا تمہاری جستجو کی بھی داد دینا پڑتی ہے۔'' ایک ایک لفظ کے لیے جستجو اور فنی تلازمات کا یہ اہتمام جنابِ تائب کے نعتیہ کلام میں آغاز ہی سے بدرجہ اُتم موجود تھا مگر آرائش عروسِ فن کے اس انہماک میں روزِ اوّل ہی سے اُن کو یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ

لب رہیں ترجمانِ صدق و صفا
دل ہو کذب و مبالغہ سے نفور

شیخ عبدالقادر نے ''بانگِ درا'' کے دیباچے میں غالب اور اقبال کے اشتراکات کے حوالے سے لکھا تھا:

> ''اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسداللہ خاں غالب کو اُردو اور فارسی شاعری سے جو عشق تھا اُس نے اُن کی رُوح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اُس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا۔''

میرے دل میں کچھ ایسا ہی خیال مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ اور حفیظ تائب صاحب کی نسبت پیدا ہوتا ہے۔ ذکاوت اور شرافت، فنکاری اور اخلاص، صلاحیت اور محنت، کمال اور انکسار، گداز اور ہمّت کا جو امتزاج حالی کی شخصیت میں دکھائی دیتا ہے، حفیظ تائب کی ذات اُسی کا نقشِ مکرّر محسوس ہوتی ہے۔ بلکہ آخر آخر میں تو ایک روز میں نے ازراہِ تفنن اُن سے کہا بھی کہ حضرت! اب تو وضع قطع میں بھی مُوبمو مولانا حالی دکھائی دینے لگے ہیں۔

بے سبب نہیں کہ جناب تائب نے ’آیہ نور‘ کے لیے حالی کی زمین اختیار کی اور آغاز ہی اس مضمونِ عالی سے کیا جسے حالی نے کفارۂ ماسبق بنایا تھا۔ پھر کذب ومبالغہ سے نفور ہو کر ترجمانیِ صدق وصفا کی یہ فکر بھی حالی ہی کا مسلک ہے۔ حالی ہی کی طرح تائب صاحب کے ہاں بھی روز بروز حُسن اُسلوب کے مقابلے میں کلمۂ حق کی اہمیت بڑھتی چلی گئی اور بقول حالی ان کا مسلک سخن بھی یہ ہوتا چلا گیا کہ

اے شعر دل فریب نہ ہو تُو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
ہاں، سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

اور مقطع میں تو شاید مولانا حالی کا تخاطب حفیظ تائب ہی سے ہے

جو قدر داں ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ
حالؔی کو تجھ پہ ناز ہے، کر اُس پہ ناز تو

تائبؔ صاحب کے ہاں گوناگوں مضامینِ نعت میں استغاثہ وفریاد بحضور سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو رنگ جابجا اُبھرتا ہے وہ بھی ان کی اور مولانا حالی کی مماثلت کا احساس دلاتا ہے کہ حالی نے

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقتِ دُعا ہے

سے جو روش نکالی تھی وہی تائبؔ صاحب کے ہاں نو بہ نو پیکر اختیار کرتی ہے۔ مثلاً دیکھیے اُن کی نظم ’پھر اٹھا

ہاتھ بہر دُعا یا نبی ﷺ ' جس میں مسدس اور عرضِ حال کا عکسِ معنوی جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ تائبؔ صاحب کی ایک پنجابی نعت کے مقطع میں قصداً یا اتفاقاً، توریہ وایہام کے رنگ میں لفظ ''حالی'' کیا خوب اُن کے نام کے متصل آیا ہے:

حالی تائبؔ ہور کجھ دن صبر کر
ہور گوہڑا ہون دے چاہت دا رنگ

تائبؔ صاحب کی طبیعت میں علمی دیانت، روایت کی صحت اور بیان کی ذمہ داری کی فکر روز بہ روز بڑھتی چلی گئی۔ نعت کو بیش از بیش علمی پس منظر مہیا کرنے کے لیے انہوں نے عمیق نظر سے قرآن، حدیث اور سیرت کا وسیع مطالعہ کیا اور حاصل مطالعہ کو اپنے فن میں سمویا۔ اُن کے مجموعۂ نعت 'وہی یٰسں وہی طٰہٰ'' کا آغاز جس حمد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے:

تو خالق ہے ہر شے کا، یا حیُّ یا قیُّوم
ہر پل تیرا رنگ نیا، یا حیُّ یا قیُّوم

اِسی طرح اُن کے ہاں قرآن و حدیث کے اقتباسات بھی جا بجا نگینے کی طرح جڑے ہُوئے نظر آتے ہیں، مثلاً

بس تُو ہے فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا کا مخاطب
پیرو ہیں ترے آیہِ اَعۡلَوۡن کے مصداق

ذہن میں رکھ آیہ لَا تَرۡفَعُوۡا اَصۡوَاتَکُم
بات کر طبعِ پیمبر کی نفاست دیکھ کر

مرے حضور کی رحمت ہے بے کراں تائبؔ
مرے حضور کا اعلانِ عام لاتَثۡرِیۡب

آپ کی رفعت کا ناممکن ہے اندازا حضور
کہہ دیا جب حق نے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی حضور
سُجھا کے نکتہِ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا
مجھے توازنِ فکر و نظر دیا تو نے

تائبؔ صاحب کے نعتیہ کلام کے چند در چند خصائص میں ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت کو بار بار کے دہرائے ہوئے مضامین سے نکال کر اُس کے عمق، وسعت اور تنوع میں اضافہ کیا۔ جناب احمد ندیم قاسمی نے تائبؔ صاحب کے اِس امتیاز کی طرف اِن الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ''حفیظ تائب نے صنفِ نعت پر بعینہٖ وہی احسان کیا ہے جو غالب، اقبال اور آج کے بعض نمایاں شعراء نے غزل پر کیا ہے۔''

تائب صاحب کی تخلیقی اُپج نے بعض مقامات پر ایسے انوکھے مضامین نکالے ہیں کہ بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے، مثلاً ایک نعت کے یہ دو شعر دیکھیے

آئے سرکار دستار پہنے نظر
گنبدِ سبز کی جب زیارت ہوئی
چار سے بڑھ کے مینار دس ہو گئے
میرے سینے میں بھی اور وسعت ہوئی

گنبدِ سبز میں عمامہِ سبز کی زیارت اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شریف کی توسیع میں توسیعِ ذات کا احساس، شاعرانہ تخیل کی نادرہ کاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ یہی نادرہ کاری اُن کی بعض تراکیب میں بھی نظر آتی ہے

اے ہادیِ دارین، مقدّر گرِ آفاق

میں 'مقدّر گرِ آفاق' کی گہرائی اور بلاغت کو دیکھیے۔ اسی طرح یہ دل نشین شعر ملاحظہ ہو جس میں 'روانِ خیر' کی ترکیب بطورِ خاص لائقِ توجہ ہے

وہ تابِ جاں، سحابِ کرم، انتخاب حق
وہ شانِ فقر، آنِ تمدّن، روانِ خیر

حسن ترکیب کے علاوہ تائب صاحب کے ہاں کمال کا حسنِ التزام بھی ملتا ہے جس میں وہ تلمیح اور توریہ وایہام جیسے محسناتِ کلام سے کام لیتے ہیں، مثلاً یہ شعر دیکھیے

باتیں آقا کی سناتا ہے اُحد
اُس کے دامانِ صفا میں گم ہوں

'اُحد' کے ساتھ لفظ 'صفا' کی مناسبت قابلِ دید اور لائقِ داد ہے کہ ایک طرف کوہِ صفا کا ایہام پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف 'صفا' بمعنی مودّت و اخلاص کے حوالے سے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّه (اُحد ایسا پہاڑ ہے کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اُس سے محبت رکھتے ہیں) کی تلمیح جھلکتی ہے۔اسی طرح یہ شعر

پہلے بھی اُس کی تابانی کچھ روئے زمیں پر کم تو نہ تھی
جب ثور کی منزل سے گزرا اُس ماہ کا چرچا اور ہوا

حسنِ التزام کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ غارِ ثور اور برجِ ثور کی مناسبت اور پھر برجِ ثور کے ساتھ لفظ 'ماہ' کا اہتمام اور آیہ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ کی رعایت سے لفظ 'منزل' کا انتخاب شاعر کی ژرف بینی اور قدرتِ کلام کا آئینہ دار ہے۔ یادر ہے کہ علمِ نجوم میں ماہ کا بُرجِ ثور میں آنا نہایت مبارک سمجھا جاتا ہے۔ بقولِ غالبؔ

تا، ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
تا، ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
زُہرہ نے ترک کیا حُوت سے کرنا تحویل

قدرتِ کلام کی بات چلی ہے تو 'وسلّموا تسلیما' کے حصہ حمد و مناجات کا خیال آتا ہے جس میں تائب صاحب کا زورِ بیان اُردو کے یادگار قصیدوں کے شکوہ کا حامل ہے

ہے ارتباطِ عناصر اُسی کی قدرت سے
اُسی کے لطف سے قائم ہے اعتدالِ حواس
کیے خلا میں معلّق ثوابت و سیّار
بغیر چوب کیا خیمۂ فلک کو راس
اُٹھا کے ہاتھ اُسی کو پکارتا ہوں میں
مقام جس کا ہے میری رگِ حیات کے پاس
کیا یہ خاص کرم اُس نے نوعِ انساں پر
بنا دیا جو حبیب اپنا غم گسارِ اُناس
حبیب وہ جو بنا کائنات کا نوشاہ
رسول وہ جو ہوا اُس کی شان کا عکّاس

تائب صاحب کے ہاں مضامینِ نو بہ نو کا ایسا وفور ہے کہ تکرار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ زمینیں بھی بیشتر اُن کی اپنی ہوتی ہیں۔ بحور بالعموم مانوس اور رواں دواں استعمال کرتے ہیں لیکن گاہے گاہے سادہ مگر ہٹی ہوئی بحروں میں طبع آزمائی کی ہے مثلاً

شوق باریاب ہو گیا
وا کرم کا باب ہو گیا

بعض بحریں جو پنجابی یا ہندی میں رائج ہیں تائبؔ صاحب نے انہیں اُردو نعت میں کمال روانی سے برتا ہے۔ اصناف میں بھی اُن کے ہاں بلا کا تنوّع ہے۔ چنانچہ غزل، قصیدہ، نظم، آزاد نظم، ترکیب بند، ترجیع بند، سانیٹ اور مستزاد سبھی ہیئتوں کی نمائندگی ملتی ہے۔ 'باراں ماہ' کی پنجابی صنف کو اُنھوں نے اپنی

پنجابی نعت میں اسلامی تقویم اور واقعاتِ سیرت کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔

'سی حرفی' میں اُنھوں نے یہ جدّت کی ہے کہ آغاز کے بجائے قوافی کے اختتام کو الفبائی ترتیب میں رکھا ہے۔ تین مصرعوں کے تجربے کو ہمارے ہاں کبھی مثلث، کبھی ثلاثی، کبھی پنجابی لوک روایت کے حوالے سے ماہیا اور کبھی جاپانی صنف سے منسلک کرتے ہوئے ہائیکو کہا گیا۔ جناب تائبؔ نے سورۂ کوثر کی تین آیات کی مناسبت سے اُسے ''کوثریہ'' کا پاکیزہ نام عطا کیا ہے اور اسی نام سے اُن کا ایک مجموعہ موسوم ہے کیونکہ اُس میں ایسی اکتالیس سہ مصرعی تخلیقات شامل ہیں۔

جناب حفیظ تائب کے ہاں نعت میں والہانہ پن کے ساتھ ساتھ کمال احتیاط، شوکتِ کلام کے پہلو بہ پہلو سہلِ ممتنع اور اعلیٰ فنی محاسن کو نباہتے ہوئے صحتِ روایات کا التزام اور غلو و مبالغہ سے اجتناب جیسی جہات کی ساری گونا گونی کا جائزہ اِن معروضات میں نہ تو ممکن ہے اور نہ مقصود۔ مدّعا صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایسے ہمہ پہلو اور نغز گو شاعر کا کلام قوم و ملک کے لیے سرمایۂ افتخار رہے۔

جناب عبدالعزیز خالدؔ نے تائب صاحب کے حق میں بجا ارشاد فرمایا ہے

اُس کو فقط اک شاعرِ خوش گو نہ کہو
اے اہلِ سخن رنگِ سخن تو دیکھو
ہے باعثِ افتخارِ ملک اُس کا وجود
دے سکتے ہو جتنی بھی اُسے عزت دو

خدائے بخشندہ نے یہ عزّت تائب صاحب کو بھرپور طور پر عطا فرمائی اور اُنھیں لطفِ سخن اور قبولِ خاطر دونوں سے بہرۂ وافر ملا۔ اُن پر بے شمار انعامات میں ایک انعام یہ بھی رہا کہ اُنھیں عبدالمجید منہاس جیسا بھائی ملا جس کے نام اپنے ایک مجموعۂ نعت کے منظوم انتساب میں تائب صاحب نے فرمایا

خلوص و مہر و وفا سراسر مرا برادر
مجید منہاس اُنس پیکر، مرا برادر

وہ میرا مونس وہ میرا ہمدرد و ہم نوا ہے
شگفتہ کردار و خوش مقدّر مرا برادر

حفیظ تائب فاؤنڈیشن کے چیئرمین جناب مجید منہاس جنھیں اپنے برادرِ مرحوم سے عشق ہے، ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ اُن کی توجہ سے فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام جنابِ تائب کا تمام اُردو اور پنجابی نعتیہ کلام یکجا شائع ہو کر سامنے آ رہا ہے۔ اِس اشاعت میں 'غیر مدوّن' کے عنوان سے تائبؔ صاحب کی اڑتیس ایسی منظومات کا قابلِ قدر ضمیمہ بھی شامل ہے جو اِس سے پہلے کسی مجموعے میں درج نہیں ہو سکیں یا علالت کے آخری ایام میں وارد ہوئیں اور ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

جناب محمد سعید اللہ صدیق کی سپاس گزاری بھی لازم ہے جو القمر انٹر پرائزرز کے مہتمم اور اِس کتاب کے ناشر ہیں۔ میں ذاتی سطح پر بھی منہاس صاحب کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے اِس کلیاتِ نعت کی پیشوائی کا شرف مجھے عطا فرمایا۔

فجزاہ اللہ عنّی احسن الجزاء فی الدّارین

قطعہ

سید یاسر بخاری

راستے کا اک پڑاؤ بھی نہ راس آیا مجھے
جستجو ہر گاہ جھ کو در بدر کرتی رہی

ڈھال کر دیکھا تھا خود کو روشنی میں بھی مگر
زندگی کم بخت مجھ سے تیز تر چلتی رہی

ایکسرے کے مضر اثرات

سیما راشد

ای۔ایس ریڈیالوجی ٹیکنالوجی

ایکسرے ایک عام استعمال ہونے والی طبّی تشخیصی ٹیکنالوجی ہے جس کی مدد سے جسم کے اندرونی حصوں کی تصاویر بنائی جاتی ہیں۔ یہ تکنیک ہڈیوں کے فریکچر، پھیپھڑوں کے انفیکشن، دانتوں کے مسائل اور کئی دیگر طبی عوارض کی تشخیص میں نہایت مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ تاہم جہاں ایکسرے کے بے شمار فوائد ہیں، وہیں اس کے کچھ ممکنہ مضر اثرات بھی ہیں جن سے آگاہی نہایت ضروری ہے۔

یہ دراصل ایک قسم کی توانائی ہے۔ ایکسرے میں استعمال ہونے والی ریڈی ایشن جسم سے گزر کر اس کے اندرونی ڈھانچے کو ظاہر کرتی ہے لیکن بار بار ایکسرے کروانے سے یہی شعاعیں جسم کے خلیوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ایکسرے کی شعاعیں انسانی ڈی این اے کو متاثر کر سکتی ہیں جس کے نتیجے میں خلیات کو نقصان پہنچتا ہے اور طویل مدتی اثرات میں کینسر جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہونے کا خدشہ بھی موجود ہوتا ہے۔

زیادہ مقدار میں ریڈی ایشن جلد پر منفی اثر ڈال سکتی ہے جیسے کہ جلن، سوزش یا رنگت میں تبدیلی۔ اسی طرح حمل کے دوران ایکسرے بچہ کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے خاص طور پر حمل کے ابتدائی مہینوں میں جب بچے کی نشوونما کا عمل حساس ترین مرحلے میں ہوتا ہے۔ مسلسل ریڈی ایشن کا سامنا آنکھوں اور تھائرائڈ گلینڈ جیسے حساس اعضا کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے جس سے ان کی کارکردگی متاثر ہو سکتی ہے۔

ان ممکنہ نقصانات سے بچاؤ کے لیے چند احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں مثلاً ایکسرے ہمیشہ ڈاکٹر کی ہدایت پر ہی کروانا چاہیے۔ ہر بار کے ایکسرے کا ریکارڈ رکھنا چاہیے تاکہ غیر ضروری یا بار بار ریڈی ایشن سے بچا جا سکے۔ حاملہ خواتین یا وہ خواتین جنہیں حمل کا شک ہو وہ ایکسرے سے قبل اپنے معالج کو ضرور مطلع کریں۔ بچوں کو بھی غیر ضروری ایکسرے سے حتی الامکان دور رکھا جائے کیونکہ ان کے جسم ریڈی ایشن کے اثرات کے حوالے سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔

تبصرۂ کتب

نوٹ: تبصرۂ کتب کے لئے دو کتابیں ارسال کی جائیں

عنوان: عربی مولود ناموں کی تاریخ

مصنف: عابد حسین شاہ پیرزادہ

صفحات: ۶۲۰

طبع اول: ۲۰۲۳ء

ناشر: مقصود احمد کامران ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور۔

تبصرہ نگار: سید محمد انور شاہ قادری بخاری

پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیر کے دن روزہ رکھتے ہوئے اپنے یوم ولادت باسعادت کی طرف متوجہ فرمایا جبکہ خالق کائنات جل جلالہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعمت کبریٰ قرار دیتے ہوئے شکر ادا کرنے اور اس کا چرچا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے اہل ایمان اس احسانِ عظیم کی یاد تازہ کرنے کے لیے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل اور مجالس سجاتے چلے آ رہے ہیں۔ جبکہ علمائے کرام نے میلاد شریف کے موضوع پر کتابیں لکھنی شروع فرمائیں۔ یہ نورانی سلسلۂ تقریر وتحریر قرونِ اولیٰ میں ہی شروع ہو چکا تھا جو الحمدللہ تا حال جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔۔۔ان شاءاللہ۔

زیر نظر کتاب میں اسی مبارک سلسلے کی زریں کڑیوں کو یکجا کیا گیا ہے اور گذشتہ چودہ صدیوں میں میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لکھی جانے والی کتابوں کی تشریحی فہرست حضرت علامہ پیرزادہ عابد حسین شاہ صاحب نے مرتب فرمائی ہے۔ لائبریری سائنس کی اصطلاح میں اسے وضاحتی کتابیات (ڈسکپر ٹیو ببلیوگرافی) کہا جا سکتا ہے۔ اس میں پیرزادہ صاحب نے ایک ہزار سات کتب کے بارے میں گراں

قدر معلومات فراہم کی ہیں۔

اس کی ترتیب عنوانِ کتب کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ پہلے ایک مسلسل نمبر دیا گیا ہے پھر کتاب کا نام ہے۔ اگر یہی کتاب کسی دوسرے نام یا ناموں سے معروف ہے تو انہیں بھی درج کیا گیا ہے جبکہ اس کے بعد مصنف کا اصل نام، ولدیت، خاندان و قبیلے کا نام اور تاریخ پیدائش و وفات دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مصنف کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے جس میں اس کی جائے پیدائش، وفات، آخری آرامگاہ کا مقام، مذہب، القاب اور اساتذہ کرام کے نام دیئے گئے ہیں۔

نیز اس کے ذاتی اوصاف یعنی حافظ، قاری، مفسر، محدث، مدرس، خطیب، فقیہ، صوفی، ادیب و شاعر ہونے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر وہ کسی دینی و حکومتی منصب پر فائز رہے ہیں تو اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مصنف کی قلمبند کردہ کل کتب کی تعداد اور ان میں سے نمایاں تصانیف کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔ اگر اس مصنف کا ہمنام کوئی دوسرا مشہور مصنف گزرا ہے تو وضاحت کی گئی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں اور اگر کسی عالم نے ایک سے زیادہ مولودنامے قلمبند کیے ہیں تو اس کی ہر کتاب کا ذکر حروفِ تہجی کے اعتبار سے اپنے مقام پر کیا گیا ہے۔ جبکہ مصنف کا تعارف صرف پہلے درج کردہ مولودنامے کے تحت کیا گیا ہے البتہ دیگر اندراجات سے اس کی طرف حوالہ دیا گیا ہے۔

بعد ازاں مولودنامے کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اگر یہ قلمی ہے تو دنیا بھر کے جن جن کتب خانوں میں اس کے مخطوطات پائے جاتے ہیں اُن کی نشاندہی کی گئی ہے اور اگر یہ مطبوعہ ہے تو اس کی جملہ اشاعتوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز اگر یہ انٹرنیٹ پر دستیاب ہے تو اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کسی عربی مولودنامے کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ ہوا ہے تو اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ ہونے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

نیز بعض مولودنامے اس میں ایسے بھی ہیں جو اردو، فارسی اور ترکی سے عربی میں منتقل کیے گئے ہیں۔

محدث پشاور حضرت مولانا محمد ایوب صاحب قادری پشاوری (المتوفی ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۳۳۵ھ) کے لکھے ہوئے مولود نامہ ''القول القوی فی جواز قراءۃ المولد النبوی'' کا تعارف مسلسل نمبر ۷۷۴ پر دیا گیا ہے۔

موصوف بانی مدیر اعلیٰ ''الحسن'' قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا استاد تھے۔ ان کی کتاب ''تحفۃ الفحول فی الاستغاثہ بالرسول'' کا عربی سے اردو ترجمہ مولوی جی صاحب نے ''حیات النبی ﷺ'' کے عنوان سے کیا اور اسے شائع بھی فرمایا۔ پیرزادہ صاحب نے اس کی نشاندہی فرمائی ہے نیز مولوی جی صاحب کی تصنیف ''تذکرہ علماء ومشائخ سرحد'' کو بطور ماخذ استعمال فرمایا ہے۔

پیرزادہ صاحب نے کتاب کے آغاز میں موضوع زیر بحث پر مفصل مقدمہ قلمبند فرمایا ہے جس میں جشن میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے متعلق اہم اور بنیادی معلومات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ آپ ﷺ کی وقت ولادت، دن، مقام، شہر کے علاوہ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے تاریخ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ میلاد کے موضوع پر لکھی جانے والی اولین کتاب کے علاوہ مخالفت میں منظر عام پر آنے والی تحریروں کی تاریخ بھی بیان فرمائی ہے اور پھر جن جلیل القدر مفسرین، محدثین اور صالحین نے معترضین کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے قلمی خدمات سرانجام دیں ان کا بھی بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

آخر میں مصنفین کے اسماء اور مصادر و مراجع کی فہرست بھی دی گئی ہے اور ان کو بھی بلحاظِ حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے جبکہ کتاب کا انتساب حضور ﷺ کی عظیم ماں حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے اسم گرامی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اعلیٰ کاغذ، بہترین کمپیوٹر کمپوزنگ اور خوبصورت مضبوط جلد مصنف کی پیارے محبوب ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کی آئینہ دار ہیں۔ نیز آپ نے اپنی محنت، لگن، وسیع معلومات، کامل مہارت اور دلکش انداز بیان سے محققین کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی اسے دلچسپ مفید اور کارآمد بنا دیا ہے۔

برائے رابطہ

شاہ محمد غوث اکیڈیمی

کوچہ آقا پیر جان، یکہ توت، پشاور شہر

0332-5553125 www.alameer.org info@alameer.org facebook.com/Alameer.org